UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188762

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۰۰۵۰۵۴ Accession No. ۵۸۴۰

Author بالو ناردین پرشاد ل - ر

Title رشتا مان شد حصہ اول

This book should be returned on or before the date last marked below.

سلسلۂ انجمن ترقی اُردو نمبر ۴

رہنمایانِ ہند

حصہ اوّل

جس کو

بابو نارائن پرشاد ورما مہر تخلص مترجم دفتر جناب صاحب انسپکٹر جنرل بہادر

محکمۂ تعلیم ریاست گوالیار

نے

انگریزی رسالہ موسومہ بہ پرافٹس آف انڈیا مؤلفہ جناب بابو صاحب منمتھ ناتھ دت

ایم اے۔ ایم آر اے ایس ریکٹر کیشب اکیڈمی کلکتہ سے

اُردو میں ترجمہ کیا

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

علی گڑھ کالج میں طبع ہوئی

۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء

۵۰۰ جلد قیمت فی جلد

فہرست مضامین

رہنمایانِ ہند

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا   آتش پہ مغاں نے را
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے   انکار کسی سے بن

(حالی)

مضمون

مقدمہ - - - -
تمہید - - - -
اڈریس - - - -
رہنماؤں کی تعریف - - - -
سوانح عمری سری کرشن - - -
تعلیمات سری کرشن - - -
سوانح عمری سدہارتھ گوتم بدھ - - -
تعلیمات گوتم بدھ - - -
تتمہ دیگر رہنمایان - - -
شنکراچارج - -
رامانج - -
رامانند - -
کبیر - -

1952

مقدمہ

محققین فلسفہ نے عالمِ محسوسات میں دُنیا کے تمام کاروبار کا چلانے والا اور رنج و راحت کا ذائقہ چکھانے والا خیال ہی کو مانا ہے۔ اُن کا یہ قول کہ "تمام کاموں کی بنا محض خیال پر ہے" آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے خیال ہی کو طبیعتوں کا حاکم سمجھکر دُنیا کے زبردست فلسفیوں اور اعلیٰ رہنماؤں نے سرگرم اور جانفشاں کوششوں میں اکثر جانبازوں کی طرح اپنی انمول جانیں صرف اس لیے قربان کی ہیں کہ انسانوں میں تقدس کے خیالات پھیلا کر اُنھیں پاک اور سخت فرائض ادا کرنا سکھائیں۔

ہند کے بہت بڑے فلسفی اور سچے رہنما سری کرشن بھگوان کی سوانح عمری پر گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ جس وقت آپ کے پیارے دوست ارجن نے کرکشیتر کی جنگِ عظیم میں شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھانے سے جو اُس کا خاص فرض تھا گریز کیا اور انسانی کمزوری نے اُسے بزدل بنا دیا تو آپ نے وہی کیا جو کہ کرنا واجب تھا اور عین میدانِ کارزار میں جو نبرد آزماؤں کے جوشنوں کی جھنکار، گھوڑوں کے سُموں کی آواز جنگی اسلحہ کی چقاچاق اور ہاتھیوں کی چنگھاڑ سے عرصۂ قیامت کا نمونہ بنا ہوا تھا آپنے اُسے مذہب کا ایک نہایت اعلیٰ طریقہ تلقین کرکے فرائض کے جیتی جاگتی تصویر سامنے کھڑی کردی۔

وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ عالمِ ایجاد میں خیال کے بغیر کسی فعل کی تخلیق ممکن نہیں اور کسی کام میں اعلیٰ درجہ کی کوشش کرنے کے لیئے ویسی ہی عالی دماغ اور بلند خیالی کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر آپ نے ایسے لاثانی ملکوتی خیالات ظاہر فرمائے جنکی نظیر گزشتہ چھ ہزار برس میں صفحۂ روزگار پر کہیں نہیں ملتی سری کرشن میں انسانوں کو سچے اور نیک کاموں کی طرف راغب کردینے کی قدرت بوجہ اکمل موجود تھی۔ پس اُنھیں اعلیٰ درجہ کا تجربہ کار اور باعمل روحانی فلاسفر کہنا بجا ہے۔

میری رائے میں ہندوستان کے مصلحانِ دین کے لیے یہ مناسب ہوگا کہ وہ مذہبی اصلاح کے کوچہ میں روحانی فلاسفر سری کرشن بھگوان کے نقشِ قدم پر چلیں۔ اسی خیال نے مجھے یہ تحریک کی کہ ہندو

مذہب کے تصوف اور معرفت کے اعلیٰ خیالات کو اپنے ہم ملکوں کے اس طبقہ میں پھیلانے کی تھوڑی بہت کوشش کروں جو سنسکرت علوم سے محض بے بہرہ ہے اور اُردو کے سوا اور کوئی زبان جانتا ہی نہیں۔ ہندوستان میں جب سے اُردو نے رواج پایا ہے پاک زبان سنسکرت اور اُن فرقوں کے لوگوں میں بہت اجنبیت پیدا ہو گئی ہے جن کی مادری زبان اب فارسی یا اُردو ہے۔ اس لیے یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ بابو منمتھ ناتھ صاحب دت ایم اے، ایم آر اے ایس رجسٹرار کشیب ایکڈمی کلکتہ کی لاجواب کتاب "پرافٹس آف انڈیا" کو اُردو میں ترجمہ کر کے اُردو دانوں کی خدمت میں پیش کروں۔ میں چونکہ سنسکرت زبان سے ناآشنا ہوں مجھے اس کے سوا اور کیا چارہ تھا کہ ہند کے اعلیٰ رہنماؤں کی سوانح عمریاں اور تعلیمات انگریزی زبان سے ترجمہ کروں۔

یقیناً بہت زیادہ قدر کے مستحق ہمارے قابل مصنف بابو صاحب ہیں جنھوں نے زمانہ کے نبض تناسی متقدمین اور متاخرین ہندی مذہبی فلاسفر یا رہنماؤں کے تذکرے اور خیالات انگریزی میں تحریر فرما کر بنی نوع انسان کو غیر مترقبہ نعمت بخشی ہے۔ میں معزز اور باوقار علامہ مصنف کا تہِ دل سے ممنون ہوں جنھوں نے میری درخواست کو قبول کی عزت دی اور مجھے اپنی کتاب کا ترجمہ اُردو میں شائع کرنے کی اجازت بڑی کشادہ پیشانی سے عنایت فرمائی۔

فی الحال میں "رہنمایانِ ہند" کا پہلا حصّہ اس اُمید پر قدردان اور دقیقہ رس ناظرین کی نذر کرتا ہوں کہ اسے حرف گیری سے امن ملیگا اور لطف و عنایت سے قبول عام کا خلعت عطا ہو گا۔ اگر اُردو خوانوں کی جماعت پر صُوفیہ خیالات کا رنگ چڑھانے اور اُنھیں پاک و باخدا بنانے میں یہ میرے مساعی مشکور ہوئے تو میں سمجھونگا کہ میری محنت وصول ہو گئی۔ اور دوسرے حصّہ کے ترجمے کے لیے بھی میرا حوصلہ بہت بڑھ جائے گا۔

نارائن پرشاد ورما

مترجم رہنمایانِ ہند

تمہید

قوموں کے تاریخی حالات جو کتب تاریخ میں نظر آتے ہیں اُن سے بخوبی ثابت ہے کہ ہندوؤں کا مذہب سب سے زیادہ قدیم ہے۔ جس زمانہ میں مصر، یونان اور روم کے مذاہب کی بنا بھی نہ پڑی تھی اور اہلِ دنیا کے کان اُن سے آشنا بھی نہ تھے اس مذہب کی عمارت کبھی کی تیار ہو چکی تھی۔

یہی نہیں بلکہ ہندو مذہب کل شائستہ قوموں کے مذہبوں سے نہایت نادر اور عجیب و غریب مذہب ظاہر ہو چکا اور ہے۔ یہ مذہب مصر، یونان اور روم کے پُرانے مذہبوں سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا اور نئے مذاہب نصاریٰ و اسلام سے بھی مشابہ نہیں ہے یہ کوئی ایک مذہب نہیں ہے۔ نہ اس عمارت کی طرزِ تعمیر ایک وضع پر ہے۔ اس مذہب کو ایک مشرقی طرز کے نہایت خوشنما عظیم الشان اور وسیع محل سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو دُور سے صرف ایک حیرت انگیز عمارت نظر آتی ہے اور قریب جا کر بغور دیکھنے سے منزل پر منزل چُنی ہوئی معلوم ہوتی ہے

ہم ہی نہیں کہتے آپ بھی غور اور انصاف کی نظر سے دیکھنگے تو صاف یہی کہدینگے کہ ہندو مذہب ایک مذہب نہیں ہے بلکہ مذاہب کا مجموعہ ہے جس میں کل مذہبوں کو مجتمع کر کے اُن کی مختلف خاصیتوں کے موافق اسے ترتیب دی گئی ہے۔ لفظ مذہب سے عموماً کسی خاص فرقہ کا ایک علم الٰہی اور ایک تاریخ ربّ النوع مراد ہوتی ہے۔ مگر ہندو مذہب سے ایک علم الٰہی یا ایک تاریخ رب النوع (دیومالا) نہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ ہر حیثیت میں غیر محدود ہے۔ جس قدر اس مذہب کا علم الٰہی وسیع ہے اُسی قدر اُس کی تاریخ رب النوع مبسوط ہے۔ اور جتنے اس کے دیوی اور دیوتا ہیں اتنے ہی اس کے شاستر کثیر التعداد ہیں۔

تو کیا مذہب ہنود جس پر ہندوؤں کو بہت بڑا ناز ہے صرف باطل عقائد کا مجموعہ اور کفر و بت پرستی کا ذخیرہ ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ نہ اس میں باطل عقائد ہیں نہ کفر و بت پرستی کا ذکر ہے۔ یہ ایک ایسا اعلیٰ اور افضل مذہب ہے کہ جب تک مدتوں اس کے نکات اور عظمت دریافت کرنے کے لیے بہت بڑی جانفشانی اور عرق ریزی نہ کی جائے اُن کا سمجھ میں آنا محال ہے۔

یہاں ہم اپنے بیان کی تائید میں ایک نہایت عمدہ ایڈریس درج کرتے ہیں جو شکاگو کی مذہبی پارلیمنٹ کے روبرو پڑھا گیا تھا۔ یہ مذہب ہنود کا سچا فوٹو ہے اور ایسے شخص کا کھینچا ہوا ہے جس نے اہل ہند کے شاستروں ہی کو کئی بار تمام و کمال نہیں پڑھا ہے بلکہ بزرگان دین اور بڑے بڑے مقدس رشیوں کے مذہب سے بھی اعلیٰ درجہ کی واقفیت حاصل کی ہے۔

ایڈریس

اہل ہند کو آسمانی وحی یعنی مقدس ویدوں کے ذریعہ سے مذہب پہنچا ہے۔ اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ ویدوں کی ابتدا اور انتہا نہیں ہے۔ شاید ناظرین اس بات پر ہنسینگے کہ کوئی کتاب بغیر آغاز اور خاتمہ کے کیونکر ہوسکتی ہے۔ مگر دراصل ویدوں سے کتابیں مراد نہیں ہیں۔ وید اُن روحانی قوانین کا مجموعہ ہیں جو مختلف زمانوں میں مختلف اشخاص نے دریافت کیے تھے۔ جس طرح قوانین کشش ارضی معلوم ہونے سے پہلے بھی موجود تھے اور اگر اب ہم اُن کو بھول جائیں تب بھی اُن کا وجود قائم رہیگا۔ یہی حال اُن قوانین کا ہے جن سے روحانی دنیا کا نظم و نسق وابستہ ہے۔ ارواح و افراد ارواح اور مالک کل ارواح میں جو اخلاقی اور روحانی تعلقات ہیں وہ معلومات سے پیشتر بھی تھے اور ہم اُن کو بھول جائیں تو بھی باقی رہینگے۔ اِن قوانین کے تدوین کرنے والے رشی تھے۔ ہم اُن کو کاملین سمجھ کر اُن کی عزت کرتے ہیں اور ناظرین کی خدمت میں اس بات کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے مدونان قوانین روحانی میں چند عورتیں بھی تھیں۔

یہاں یہ کہہ سکتے ہیں ممکن ہے کہ قوانین کی انتہا نہو لیکن ابتدا ضرور ہوگی۔ مگر مقدس ویدوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلقت کی ابتدا یا انتہا نہیں ہے۔ اور علم حکمت سے بھی ثابت ہے کہ پیدائشِ عالم

ہر زمانہ میں یکساں ہوتی ہے۔ اگر کوئی ایسا زمانہ بھی گزرا ہے جب وقت کسی شے کا وجود نہ تھا تو اُس وقت یہ مسلمہ قوتِ موجودہ کہاں تھی۔ بعض کہتے ہیں وہ اس وقت بصورت اختیاری خدا کے امکان میں تھی۔ تو کیا بعض اوقات خدا کی ذات ارادی ہے اور بعض اوقات متحرک یعنی غیر مستقل شے مرکب۔ اور ہر مرکب چیز فناپذیر ہوتی ہے پس خدا کی ذات فانی ہے۔ توبہ توبہ اس سے ثابت ہو گیا کہ کوئی زمانہ موجودات سے خالی نہ تھا۔ اب ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ خالق اور مخلوق دو غیر محدود متوازی خطوط ہیں۔ خدا خلاقِ عالم ہے۔ اُس کی قدرتِ کاملہ نے مادہ ہیولانی سے اشیاء کو ترتیب دیکر متواتر پیدا کیا۔ اور پھر معدوم کر دیا۔ یہی ہندوؤں کے لڑکے ہر روز اپنے گرد سے پڑھتے ہیں "خدا نے چاند اور سورج دوسرے چاند اور سورج کے بعد پیدا کیے ہیں"۔

ہم آنکھیں بند کر کے اپنی ہستی کا تصور کریں تو ہم کو ایک جسم کی خیالی شکل نظر آئیگی معلوم ہوگا کہ ہمارا جسم مادہ اور اشیاء مادی سے مرکب ہے۔ مگر مقدس ویدوں سے ظاہر ہے کہ ہم جسم نہیں ہیں بلکہ جسم میں روح ہیں۔ جسم فانی ہے ہم فانی نہیں ہیں۔ اس وقت ہم اِس جسم میں ہیں۔ جب یہ فنا ہو جائیگا تب بھی ہم زندہ رہینگے اور اسی طرح ہم پہلے بھی کسی جسم میں تھے۔ روح کسی چیز سے پیدا نہیں کی گئی ہے۔ کیونکہ خلقت کے لیے ترکیب اور ہر مرکب کے لیے تفرید لابدی ہے۔ اور روح مفرد محض ہے۔ اگر روح مخلوق ہوتی تو وہ فنا بھی ہوتی۔ پس ثابت ہو گیا کہ روح غیر حادث ہے۔ بعض شخص خوش قسمت پیدا ہوتے ہیں صحت و تندرستی حسنِ صورت وسیرت کا حظ اُٹھاتے اور جملہ نعمتیں اپنے لیے مہیا پاتے ہیں۔ بعض بدنصیب چند بیدست وپا اور کچھ مخبوط الحواس پیدا ہوتے ہیں تمام عمر مصیبتیں جھیلتے اور دُکھ بھرتے ہیں۔ پس جب کل مخلوق پیدا کیے گئے ہیں تو خدائے عادل ورحیم ایک کو خوش نصیب اور دوسرے کو بدنصیب کیوں پیدا کرتا ہے؟ اُس کے مزاج میں اسقدر رعایت اور طرفداری کیوں ہے؟ اسی طرح یہ خیال بھی قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ جو اس جنم میں بدقسمت ہیں اگلے جنم میں خوش قسمت ہو جائینگے۔ ہم کہتے ہیں کہ خدائے عادل اور غفور الرحیم کی سلطنتِ عدل میں کوئی شخص بدنصیب پیدا ہی کیوں ہو۔ اس کا نتیجہ یہی نکلیگا کہ قادرِ مطلق کا یہ فعل نعوذ باللہ نعوذ باللہ ظالمانہ اور خلافِ حکمت ہے۔ اس لیے انسان کی پیدائش سے قبل اس کی خوش قسمتی یا بدنصیبی کے کچھ اسباب جو اُس کے پچھلے جنم کے اعمال ہی ہو سکتے ہیں ضرور ہونگے۔ جس طرح انسان کی طبیعت کا میلان اور اُس کی جسمانی حالت فطری طور پر اپنے والدین کی قابلیت اور رجحانِ طبع کے مطابق ہوتی ہے

اسی طرح وہ اپنے پچھلے جنم کے اعمال کے موافق اس دنیا میں خوش قسمت یا بدنصیب پیدا ہوتا ہے۔ دنیا میں ہستی کے دو متوازی خطوط ہیں۔ ایک دل دوسرا مادہ۔ اگر مادہ اور اُس کی تبدیلی ہیئت سے کل موجودات دنیا کی پیدائش ممکن ہو تو روح کا وجود فرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مگر یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ خیال مادہ سے نکلا ہے۔ کیونکہ اگر ہم فلسفیانہ طور پر تحقیقات کریں تو صرف ایک ہی شئے کا وجود ثابت ہوگا روح کا یا مادہ کا۔ مگر ان دونوں سے روح کا وجود ماننا نہایت ضروری اور ناگزیر ہے۔

اس بات سے تو ہم انکار نہیں کر سکتے کہ انسان کا اکثر میلان طبع کسی طرف نمورونی ہوتا ہے مگر یہ میلان صرف دنیوی شکل میں مراد لیا گیا ہے۔ جس سے خاص طبایع خاص طور کے کام کر سکتے ہیں اور روح میں اس خاص قسم کے میلان یا خاصہ کے پائے جانے کا سبب اُس کے پچھلے جنم کے اعمال ہیں۔ کیمیائی ترکیب کے مطابق روح کسی خاص میلان کے ساتھ کسی ایسے جسم میں پیدا ہوتی ہے جو اُس میلان کے لیے مناسب اور موزوں آلہ کا کام دیتا ہے۔ یہ اُصول حکمت کے بالکل مطابق ہے۔ علم حکمت میں ہر شئے کی تشریح عادت سے کی جاتی ہے۔ اور عادت اعادہ یعنی ردّوبدل سے پیدا ہوتی ہے۔ پس یہ ردّوبدل بھی نئی پیدا ہوئی روح کی فطری عادات کی تشریح کے لیے لابدی ہے۔ اور یہ قدرتی عادتیں موجودہ زندگی میں پیدا نہیں ہوئیں لہٰذا وہ گزشتہ زندگیوں سے ضرور روح کے ساتھ آئی ہونگی۔

ہندؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان روح ہے جس کو نہ تلوار کاٹ سکتی ہے نہ جس پر خاک و باد آب و آتش کا کچھ اثر ہو سکتا ہے۔ روح ایک دائرہ ہے جس کا خط محیط معدوم ہے مگر اس کا مرکز جسم کے اندر ہے اور اسی مرکز کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں نقل کرنا موت ہے روح اوصاف مادہ سے محدود نہیں ہے۔ وہ بذاتہ غیر محدود پاک خالص اور کامل ہے۔ مگر کسی نہ کسی سبب سے اوّلاً محدود ہو گئی ہے اور اپنے آپ کو مادی تصور کرتی ہے۔

یہ تو ثابت ہو گیا کہ انسانی روح ابدی غیر فانی کامل اور غیر محدود ہے۔ موت سے صرف مرکز روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں تبدیل ہونا مراد ہے۔ نیز حیات موجودہ کے حالات گزشتہ زندگی کے اعمال سے معلوم ہوتے ہیں اور حیات آیندہ کے کوائف زندگی حال سے مفہوم کرینگے یونہیں یہ سلسلہ تناسخ حیات سے حیات اور ممات سے ممات تک جاری رہیگا اور اس میں روح

کو ترقی یا تنزل ہوتا رہیگا۔ مگر یہاں چند سوالات اور پیدا ہوتے ہیں۔ کیا انسان مثل ایک چھوٹی کشتی کے ہی جو طوفانی دریا میں موجوں کے مد و جزر سے کبھی اوپر اٹھ جاتی ہی کبھی قعر دریا میں چلی جاتی ہی اور نیک و بد اعمال کے تھپیڑے اُسے اِدھر اُدھر لیے پھرتے ہیں؟ کیا انسان تباہ شدہ جہاز کی طرح سبب و مسبب کے شور انگیز اور ناموافق دھار پر بہا چلا جاتا ہی؟ کیا انسان ایک چھوٹے سے تنکے کی مانند تسبیب کے پہیہ کے نیچے بیٹھا ہی جو اپنی رفتار سے ہر چیز کو جو اُس کے راستہ میں آجاتی ہی کچلکر پیس ڈالتا ہی۔ اور بیواؤں کی گریہ و زاری یتیموں کی فریاد اور نالوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا اس خیال سے دل بیٹھا جاتا ہی۔ مگر قانونِ قدرت اسی طرح پر ہی۔ ناامیدوں کے دل سے بیساختہ نکل گیا "خداوند کیا اب کوئی اُمید نہیں ہی؟ کیا اب نجات کی کوئی صورت نہیں ہی"؟ یہ فریاد خدائے غفور الرحیم نے سُنی اُمید و تشفی آمیز الفاظ میں تدونان وید کو الہام ہوا جنھوں نے دنیا میں باآواز بلند بنی آدم کو یوں مژدہ سنایا "اے لازوال خوشی کے بچو اے اعلیٰ طبقہ کے رہنے والو۔ ہم نے خدائے قدیم کو جو تمام تاریکیوں اور مغالطوں کے پردوں کے اُس طرف ہی پالیا ہی۔ تم صرف اُسی کے جاننے سے سلسلہ تناسخ سے محفوظ رہ سکتے ہو۔ لازوال خوشی کے بچو! یہ کیسا پیارا نام ہی۔ ہمیں اجازت دو کہ ہم تمھیں اس پیارے نام سے غیر فانی خوشی کا وارث کہکر پکاریں۔ ہندو تم کو گنہگار رکھنے سے انکار کرتا ہی۔ تم خدا کے بندے ہو۔ تم لازوال خوشی کے حصہ دار ہو۔ اے پاک اور کامل بندو! تمھیں دنیا میں الوہیت کا درجہ حاصل ہی۔ انسان کو گنہگار کہنا گناہ بلکہ انسانی نیچر پر ایک مؤثر لائبل ہی"۔

مقدس ویدوں میں نہ ایسے قوانین ہیں جن سے مغفرت ہونی دشوار ہو۔ نہ سبب او مسبب کی غیر محدود قیدیں ہیں بلکہ یہ بیان کیا گیا ہی کہ ان جملہ قوانین سے قطع نظر مادہ اور طاقت کے ہر جزو اور ذرہ میں ایک ایسی چیز نہاں ہی جس کے حکم سے ہوا چلتی ہی، آگ جلتی ہی، مینھ برستا ہی اور موت زمین پر دبے پاؤں چلتی ہی۔ اُس کے صفات یہ ہیں۔ وہ ہر جگہ موجود ہی، پاک ہی، اُس کی کوئی شکل نہیں ہی وہ قادر مطلق اور رحیم ہی۔ علماء وید اُس کی حمد و ثنا اس طرح کرتے ہیں "تو ہمارا باپ ہی۔ تو ہمارا عزیز دوست ہی۔ تو تمام طاقتوں کا منبع ہی۔ ہم کو طاقت عطا کر۔ تو تمام عالم کا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہی۔ ہم کو زندگی کا بار اُٹھانے کے لیے مدد دے"۔ اور اُس کے پرستش کا طریقہ یہ

کہ انسان اُسے دنیا و آخرت کی جملہ چیزوں سے زیادہ عزیز اور اپنا محبوب جان کر دلی محبت سے اُس کی پرستش کرے۔

ویدوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہی کہ روح نہایت پاک اور برتر ہی مگر مادہ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہی۔ جب یہ زنجیریں ٹوٹ جائیں گی تب اُسے کمال حاصل ہوگا اس کمال کے لیے وید میں مکتی کا لفظ استعمال کیا گیا ہی۔ جس کے معنی آزادی کے ہیں اور اس آزادی سے خامی، موت اور تکالیف سے آزادی مراد ہی۔

یہ زنجیریں صرف خدائے غفور الرحیم ہی کی عنایت سے ٹوٹ سکتی ہیں۔ خدا پاک دامنوں اور پرہیزگاروں پر رحم کرتا ہی۔ پس اُس کی رحمت کے لیے پاک دامنی اور پرہیزگاری کی شرط ہی۔ اور پاک دامنوں پر اس طرح رحم کرتا ہی کہ اُن کو اپنی تجلی دکھاتا ہی اور وہ اس کا جلوہ اسی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ اس وقت اُن کے دلوں کی کج فہمیاں دُور ہو جاتی ہیں اور کل شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ ہندوؤں کا روح کی نسبت یہی خیال ہی وہ صرف الفاظ اور مسائل ذہنی پر قایم رہنا نہیں چاہتے۔ اُن کی ہمتیں بلند، خیالات وسیع اور سعی کے پاؤں مضبوط ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ معمولی نفس پرست ہستی کے علاوہ کوئی اور ہستی بھی ہی۔ وہ وہاں جانا چاہتے ہیں۔ اُنھیں معلوم ہی کہ ہماری روح مادی نہیں ہی۔ اس نورانی آئینہ میں نیرنگ ساز خدا جلوہ گر ہی۔ وہ براہِ راست اس جلوہ کو دیکھنا چاہتے ہیں بلکہ اس طرح وہ کو ضرور دیکھتے ہیں اور اُنکے تمام شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ ہندو جو سب سے بہتر ثبوت روح اور خدا کا دیتے ہیں وہ یہی ہی کہ ہم نے روح اور خدا کو دیکھا ہی۔ اور صرف اسی کو تکمیل کہتے ہیں۔ ہندو مذہب صرف اسی بات کی کوشش نہیں کرتا کہ کسی خاص مشرب یا کسی مستند قول پر اعتقاد لائے بلکہ وہ معتقد علیہ مسئلہ کو عملی کر دکھانیکی ہدایت کرتا ہی۔ ہندوؤں کی نظر اُصول ہی پر نہیں ہی وہ نتیجہ پر بھی نگاہ جمائے ہوئے ہیں اُن کے طریقہ میں پیہم اسی بات کی سعی کی جاتی ہی کہ کامل ہو جائیں، فنا فی اللہ کا رتبہ حاصل ہو، خدا کو پائیں، خدا کو دیکھیں، اور خدا کی طرح کامل (فنا فی الذات) ہو جانا، خدا کو پانا، خدا کو دیکھنا، یہی ہندوؤں کا مذہب ہی۔

حصول کمال کے بعد انسان کی کیا کیفیت ہوتی ہی؟ وہ سرور ابدی حاصل کرتا، اور زندہ جاوید ہو جاتا ہی۔ سرور ابدی سے اور ابدی حیات سے اس ایک ذات پاک سے وصل ہو جانا مراد ہی اسی اتصال کے بعد انسان دنیا کے تمام انقلابات اور حوادث سے منزہ ہو جاتا ہی اور خدا کے ساتھ ابدی سرور کا حظ اُٹھاتا ہی۔ یہاں تک تمام ہنود متفق ہیں اور یہی ہندوستان کے کل ہندو فرقوں کا مشترک مذہب ہے۔ مگر اس کے بعد ایک سوال

یہ پیدا ہوتا ہی کہ کمال قائم بالذات ہی اور جو شی غیر محدود اور قائم بالذات ہی وہ دو یا تین نہیں ہو سکتی۔ نہ اُس میں خاصتیں ہو سکتی ہین نہ شخصیت ہوتی ہی۔ پس جب وہ کامل اور قائم بالذات ہو جاتی ہی تو ضرور روح اور خدا ایک ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں انسان اور خدا کا وصال صرف کمال ہو گا۔ وہ اپنی ہستی اور فطرت کی اصلیت کو معلوم کرلیگا۔ اور اُس کی ہستی وجود قائم بالذات۔ علم قائم بالذات۔ حیات قائم بالذات ہو جائیں گے پھر وصال الٰہی کا حظ کس کو حاصل ہو گا۔

مگر یہ خیال درست نہیں ہی۔ کیونکہ جب اس ایک چھوٹے سے جسم کی واقفیت سے خوشی حاصل ہوتی ہی تو دو تین چار پانچ اجسام کی ماہیت ضرور سرور موفور کا باعث ہوگی۔ اور کل عالم اجسام کی ماہیت سے انتہا درجہ کی خوشی اور حظ حاصل ہو گا لہذا اس انتہائی خوشی حاصل کرنے میں شخصیت ضرور جاتی رہیگی۔ یہ ایک بدیہی علمی نتیجہ ہی کہ انسان موت سے اُسی وقت بچ سکتا ہی جب وہ زندگی میں فنا ہو جاتا ہی۔ تکالیف کا اُسی وقت خاتمہ ہوتا ہی جب وہ راحت آرام کا ہو رہتا ہی۔ غلطیاں اُس وقت رفع ہو سکتی ہیں جب وہ عین علم ہو جاتا ہی۔ علم سے ثابت ہی کہ جسمانی شخصیت مغالطہ ہی۔ اور در اصل انسانی جسم مادہ کے زخار دریا میں پیہم غوطے کھانے والا اور ہر غوطہ پر نئی شکل بدلنے والا جسم ہی برخلاف اس کے انسانی ضمیر جوہر بسیط اور جزو لایتجزی ہی۔

علم میں صرف یہی قدرت ہی کہ اُس سے وحدت دریافت کر سکیں۔ جب کسی علم سے کامل وحدت معلوم ہو جاتی ہی تو اُسکا خاتمہ ہو جاتا ہی کیونکہ وہ اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہی مثلاً علم کیمیا کی انتہا یہ ہی کہ اُس سے ایک ایسا عنصر دریافت کر لیں جس سے اور تمام عناصر ترکیب پا سکیں۔ علم طبیعی اُس وقت مکمل ہو جاتا ہی جب اُس سے ایک ایسی قوت دریافت کر لیں جس کی اور تمام قوتیں ظہوری شکلیں ہیں۔ علم مذہب اُس وقت کو پہنچتا ہی جب وہ اُس ذات واحد کو دریافت کر لیتا ہی جو حوادث سے مبرّا اور ہمیشہ تبدیل ہونیوالی دنیا کی مضبوط بنیاد ہی۔ جو صرف ایک ایسی روح ہی جس کی اور سب روحیں ہمیں دھوکے میں ڈالنے والی ظہوری شکلیں ہیں۔ یوں کثرت اور دوئی سے وحدت حاصل ہوتی ہی۔ یہی علم مذہب کی انتہا اور کل علم کی منزل مقصود ہی اور آخر میں سب کا یہی نتیجہ نکلتا ہی۔ آج کل کی علمی دنیا یہیں تک ہی کہ وہ ہر شی کو ظاہر کرتی ہی مگر ایجاد نہیں کرتی۔ پس حصول علم سے انسان کی اس قدر خوشی ضرور متصور ہی کہ جو باتیں زمانہ دراز سے اُس کے دماغ میں بھری تھیں اُنھیں وہ مؤثر الفاظ میں سیکھتا ہی اور حال نتائج علمی سے واقفیت مزید حاصل کرتا ہی۔

اب ہم اعلیٰ اور فلسفیانہ خیالات سے گزر کر جہلا کے مذہب کی طرف رجوع کرتے ہیں ہم ابتدا ہی سے کہیں گے کہ ہندوستان میں شرک و بُت پرستی نہیں ہے۔ اگر کوئی کسی بتخانہ میں کھڑا ہو کر بغور سُنے تو اُسے معلوم ہو گا کہ پرستش کرنے والے ان بتوں کو تمام خدا کی صفات سے موصوف کرتے ہیں جن میں حاضر و ناظر بھی ہے۔

درخت کو اُس کے پھلوں سے پہچانتے ہیں۔ ہم نے اُن آدمیوں میں جنھیں بت پرست کہا جاتا ہے وہ شرافت خلوص ارادت اور روحانی عشق دیکھا جو اور کہیں نہیں پایا جاتا تو خود اپنے دل میں سوال کیا "کیا گناہ سے نیکی پیدا ہو سکتی ہے؟"

جس طرح ہم اپنے وسیع خیالات کو اپنی وسعت نظر کے موافق اُنھیں چیزوں سے جو ہمارے پیش نظر ہیں استعارہ کرتے ہیں۔ کبھی چرخ نیلگوں یا ناپیدا کنار قلزم کہتے ہیں۔ کبھی انھیں خیالات میں ہر جگہ ظاہر ہونے والی صفت طہارت کے ساتھ شامل کر لیتے ہیں تو انھیں کو کلیسا [illegible] یا ہیبت منسوب کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں نے تقدس معصومیت اور راستی وغیرہ کے خیالات کو مختلف مورتوں اور شکلوں سے منسوب کیا ہے۔ لیکن اکثر امور کے اختلاف سے بعض اپنی تمام زندگی اپنے بُت کی نذر کر دیتے ہیں اور اعلیٰ کی طرف ترقی نہیں کرتے۔ اُن کے نزدیک مذہب کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ وہ کسی مذہبی اصول پر دماغی قوت صرف کریں اور اپنے ہمجنسوں کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں۔ ہندوؤں کے مذہب کا اصل اصول حق شناسی ہے۔ خداشناسی سے انسان خدا ہو جاتا ہے لہذا بت صنم خانہ، کلیسا یا کتابیں انسان کی معین اور اُس کے روحانی لڑکپن کی مددگار ہیں۔ انھیں کے ذریعے سے وہ آگے آگے ترقی کرتا جائے گا اور کہیں نہیں رُکیگا۔

وید مقدس سے واضح ہے کہ ترقی کی کوشش میں ظاہری اور مادی پرستشیں ادنیٰ مقام میں درود و ظائف دوسرا مقام ہے۔ مگر اعلیٰ ترین مقام وہ ہے جب انسان خداشناس ہو جائے۔ دیکھیے وہی سرگرم آدمی جو بتوں کے آگے سجدہ کر رہا تھا آگے چل کر کیسی کوشش کرتا ہے "سورج۔ چاند ستارے کسی میں طاقت نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کے اوصاف بیان کر سکے۔ نہ برق کو یہ طاقت۔ نہ شعلہ کو یہ قدرت۔ یہ سب اُسی کی روشنی سے اقتباس نور کرتے ہیں۔" مگر اس اختلاف سے وہ بتوں کو بُرا نہیں کہتا اور نہ بت پرستی کو گناہ جانتا ہے بلکہ اس حالت کو وہ ایک ضروری

مقام اپنی زندگی کا سمجھتا ہی۔

کوئی شخص اگر کسی بُت کے ذریعے سے عارف باللہ ہو جائے تو کیا بُت پرستی کو گناہ کہنا درست ہوگا؟ نہ وہ خود جب اس مقام سے گزر کر ترقی کر رہا ہی اسے اپنی غلطی کہہ سکتا ہی۔ ہندوؤں کے نزدیک انسان غلطی سے سچائی کی طرف نہیں جاتا بلکہ ادنیٰ سچائی سے اعلیٰ سچائی کی طرف جاتا ہی۔ ان کے ہاں ادنیٰ مصنوعی مذہب سے اعلیٰ درجے کے فنا فی الوجود مذہب تک سب معرفت خدا حاصل کرنے کے لیے انسانی کوششیں ہیں جو روح کی پیدائش اور اثر صحبت کے مطابق ہوتی ہیں۔ یہ سب ترقی کرنے کی منزلیں ہیں۔ اور انسانی روح ہما کے بچہ کی طرح بلندی کی طرف اُڑتی ہی۔ جس قدر پرواز اونچی ہوتی جاتی ہی اُسی قدر اُس کے بازوں میں طاقت آتی جاتی ہی۔ حتیٰ کہ وہ مذہب کے آفتاب تک پہنچ جاتی ہی۔

ترقی میں وحدت کا ہونا قدرت کاملہ کا ایک ڈھنگ ہی۔ ہندوؤں نے اُسے تسلیم کر لیا ہی۔ دیگر مذاہب میں چند مقررہ مسائل دینی ہوتے ہیں اور کل اہل دین کو اُن کا پابند کرانے کی کوشش کی جاتی ہی۔ یعنی تمام اہل دین کے لیے ایک ہی قبا طیار کی جاتی ہی جو زید عمر بکر اور خالد کے جسم پر یہ قبا درست نہ ہوئی تو وہ برہنہ رہ گئے۔ ان مذہب والوں کی تحقیقات یہ ہی کہ وہی روح قائم بالذات کو دریافت کر سکتی ہی یا اُس کا تصور اور بیان کر سکتی ہی جس کو اُس کے ساتھ کچھ مناسبت ہوتی ہی اور بُت۔ صلیب یا ہلالی شکل مذہب کے صرف متعدد مرحلے ہیں۔ یعنی وہ روحانی خیال کو آگے بڑھانے کے لیے قیام کا کام دیتے ہیں۔ گو ایسی امداد کی سب کے لیے ضرورت نہیں ہی مگر اکثروں کو ہی اور جن کو اس کی حاجت نہیں ہی اُن کو اسے بُرا کہنے کا بھی حق حاصل نہیں ہی۔

یہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ہندوستان میں بُت پرستی کوئی ایسی خوفناک چیز نہیں ہی جس کے خیال سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوں۔ بلکہ یہ اعلیٰ اور روحانی سچائیوں کو معلوم کرنے کے لیے غیر نشو و نما پائے ہوئے دلوں اور خام طبیعتوں کی کوششیں ہیں۔ ہندوؤں میں اُن کی اپنی چند غلطیاں بھی ہیں۔ یعنی بعض اوقات اُن کے مذہبی اُصول میں چند مستثنیات بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر یہ امر قابل یاد رکھنے کے ہی کہ اُن سے اُنھیں ہمیشہ اپنے ہی جسم کو تکلیف دینی مقصود ہوتی ہی۔ وہ اپنے ہمسایوں کے گلے کُند چھری سے نہیں کاٹتے۔ مثلاً کوئی ہندو مجذوب مذہبی

جوش میں چتا پر جل کر خاک ہو جائے تو وہ اپنے جسم کو سزا دیتا ہی۔ رومن کتھلیک مذہب کی دینی عدالتوں کی طرح خارجیوں اور ملحدوں کی آزمائش یا سزا دہی کے لیے آگ مشتعل نہیں کرتا۔ تاہم اس فعل کا مذہب ہنود پر اتنا ہی اثر ہو سکتا ہی جتنا ساحرہ عورتوں کے جلانے کا مذہب مسیحی پر ہو سکتا ہی۔

اہل ہند کے عقائد کے موافق جملہ مذاہب کی دنیا سفر آخرت ہی جس میں مختلف مرد و زن مختلف طریقوں اور حالتوں کے مسافر ہیں اور ایک ہی منزل مقصود پر پہونچنے والے ہیں۔ ہر مذہب میں انسان کی مادی ہستی سے خدا کو ظاہر کرکے دکھایا جاتا ہی۔ اور خدا ہی کی جانب سے ہر مذہب کے رہنما کو اس بات کا الہام ہوتا ہی۔ پھر مذہبوں میں اس قدر باہمی نقیض اور خلاف بیانی کا کیا سبب ہی؟ ہندو کہتے ہیں یہ بات تو اظہر من الشمس ہی کہ سچائی کے ایک ہی اصول کو مختلف طریقوں اور پیرایوں سے باہم ملا کر ایک کرتے ہیں تخالف اور تناقض پیدا ہوتا ہی۔

ایک ہی روشنی مختلف رنگوں میں نمودار ہوتی ہی۔ اور اس روشنی کے رنگوں کا اختلاف باہمی اتصال کے لیے نہایت ضرور ہی۔ یہی اصول ہر دل میں جاگزیں ہے۔ خدا نے ہندوؤں میں اپنا اوتار سری کرشن کی صورت میں ظاہر کرکے یہ اصول یوں سمجھایا ہی "میں ہر مذہب میں سلک مروارید کے ریشم کی طرح ہوں۔ تم جہاں غیر معمولی طہارت اور عجیب و غریب طاقت کو انسانی ہستی کو ترقی دیتے ہوئے اور پاکیزہ بناتے ہوئے دیکھو سمجھ لو کہ میں وہاں موجود ہوں"۔ اسی تعلیم پر نظر کرکے ہم معترض کو حریفانہ اجازت دیتے ہیں کہ وہ از اول تا آخر سنسکرت کے تمام فلسفہ میں کوئی ایسا مقام بتا دے جہاں یہ بیان کیا گیا ہو کہ ہندوؤں کے سوا اور کسی کی مغفرت نہیں ہو گی۔ بیاس جی کا قول ہی کہ ہم اپنی ذات اور مذہب کے باہر بھی کاملیں کو پاتے ہیں۔

مذکورہ بالا مختصر بیان کو ہندو مذہب کا عطر اور لب لباب کہہ سکتے ہیں مگر اس مذہب کو دیگر مذاہب کی طرح ایک ہی شخص نے ایک ہی وقت میں وضع نہیں کیا ہی بلکہ اسے مختلف رہنماؤں، رشیوں اور سنتوں نے جو مختلف زمانوں میں پیدا ہوئے

ہزار ہا سال کے عرصہ میں بنایا ہے۔ اب ہم ناظرین کو اچھی طرح سمجھانے کے لیے اس برتر اور اعلیٰ مذہب کے مختصر تاریخی حالات اور واقعات درج کرتے ہیں۔ اور اس بیان میں اعلیٰ مصنفین کا تتبع کر کے ہندو مذہب کی نشو و نما اور ترقی کے زمانہ کو سات دور میں منقسم کرتے ہیں۔ ہر دور کی انشا پردازی اور اُس کے رہنما، رشی، سنت، اور شاستر جدا جدا ہیں۔ اسی سے ہندو مذہب کی نشو و نما اور ترقی کے زمانوں کی مختلف حالتیں دریافت کرنی بہت آسان ہیں۔ ہاں یہ امر اُس وقت دشوار ہوتا جب ہر دور کی انشا پردازی میں اختلاف نہ ہوتا یا ہر دور کے علم الٰہی میں بیشمار تصانیف موجود نہ ہوتیں۔

ہم ہندو مذہب کی بنا ابتدائے قیام مذہب سے شروع کرتے ہیں۔ اس زمانہ کی تاریخ رگ وید سے معلوم ہوتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدایش سے دو ہزار سال پیشتر کسی مقام وسط ایشیا سے ایک قوم ہند میں آئی۔ وہ لوگ ایرین کے نام سے مشہور تھے اور فی زمانہ وہ اہل ہند اور اہل یورپ کے مورث اعلیٰ فرض کیے گئے ہیں۔ اصل میں وہ گلہ بان اور خانہ بدوش تھے مگر پنجاب کی سرسبز وادی میں داخل ہو کر کاشتکاروں کی طرح آباد ہوئے اور خوش گزران زندگی بسر کرنے لگے۔ جب وہ ہندوستان میں وارد ہوئے تو شاید اُنھیں مذہب اور خدا کی طرف بہت ہی کم توجہ تھی۔ مگر یقیناً ایک مدت کے بعد یہاں کے دلکش منظر۔ نیلگوں آسمان روشن چاند۔ تازگی بخش دریا۔ صاف شفاف نہروں سرسبز مرغزاروں۔ رنگ برنگ کے پھولوں اور عظمت و شان نے اُن کے دلوں میں اعلیٰ خیالات پیدا کر کے اُنھیں صانع مطلق کی نامتناہی اور کامل قدرتوں کی طرف رجوع کر دیا وہ بڑے خوش نصیب تھے۔ اُنھیں دنیا کے کُل عیش و آرام حاصل تھے۔ اُن میں ایسے بھی پیدا ہوئے جنھیں بہشتی نور بخشا گیا۔ وہ قدرت کاملہ کی حسن و خوبی کی تعریفیں کرتے۔ اور قادر مطلق کی جو قدرت کاملہ کا فرمانروا اور رہا دی ہے حمد و ثنا کے گیت گاتے تھے۔ انسانی خلقت میں یہی پہلے لوگ تھے جنھوں نے مالکِ کل کا تصور کیا اور اُس روح کو محسوس کیا جو عالم ایجاد کی ابتدا اور انتہا ہے۔ اُنھوں نے علم روحانی اور اخلاقی دونوں میں برابر ترقی کی۔ ہندوؤں کی اس ترقی میں پانسو برس سے زیادہ گزر گئے۔ اور اول اول مذہب کا تخم رگ وید کے لاتعداد گیتوں نے بویا جن کو مختلف

شخصوں نے مختلف مقامات میں تصنیف کرکے گایا۔ ان تمام گیتوں میں کم وبیش خالق اکبر کے عشق او عظمت کی بو سے خوشبو آتی ہے جو تمام دنیا کا حکمراں ہے۔

ہندو مذہب کا پہلا دور اس طرح ختم ہوا۔ مگر خدا کی حمد وثنا کے گیت گانے اور عشق الٰہی کو نظم دلکش میں ظاہر کرنے سے اُن کی تسکین نہ ہوئی۔ اس خیال نے رفتہ رفتہ ان کی آرزوں کا حوصلہ بڑھایا اور اُن کے دل میں اس رفیع الشان، وسیع، خوبصورت عالم کی مالک سے قربت حاصل کرنے کی تمنا پیدا کی۔ اکثر غور وفکر کرنے والوں نے خدا کی نزدیکی اور عیش ابدی حاصل کرنے کے وسائل دریافت کرنے میں بڑی دماغ سوزیاں کیں۔ اس وقت منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے دو فریقوں نے دو مختلف طریقوں سے کوششیں کیں۔ ایک فریق نے بیشمار رسوم مذہبی اختراع کرکے بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور دکھایا کہ ان کی پابندی سے صفائی قلب حاصل ہو کر نیکی پیدا ہوگی اور بہشت نصیب ہوگی۔ دوسرے فریق نے رسوم مذہبی کی پرواہ نہ کی اور ایک دوسری قسم کی کتابیں لکھیں جن کو مذہبی دنیا میں علم فلسفہ کی ابتدا کہنی چاہیئے۔ لیکن گو ایک گروہ نے درس کتب اور دوسرے نے دماغی اصلاح سے خداشناسی کی سعی کی۔ ان دونوں کی کوششیں مذہب کی نشوونما اور ترقی میں دوسرے درجے سے زیادہ نہ تھیں۔ ان فریقوں نے دو قسم کی انشاپردازی چھوڑی ہے جن میں سے ایک کو "برہمنہ" اور دوسری کو "اُپنشد" کہتے ہیں۔

یوں ہندو مذہب کا دوسرا دور ختم اور تیسرا شروع ہوا۔ یہ زمانہ اہل ہند کی مذہبی ترقی ہی کے لیے مشہور نہیں ہے بلکہ اس میں ان کا تمدن، دنیاوی جاہ وترقی کے اعلیٰ درجہ پر پہنچا۔ ان کی حکومت ہمالیہ سے لیکر بحر ہند کے کنارے تک ہوگئی۔ اُن میں بڑے بڑے طاقتور حکمراں ہوئے اور ان کی سلطنتوں میں اعلیٰ اعلیٰ ترقیاں ہوئیں۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں سری کرشن مہاراج نے ظہور فرمایا۔ اور کلچھتر کے میدان میں جنگ عظیم ہوئی۔ اسی زمانہ میں نسک نے نرک تصنیف کی۔ پنینی نے صرف ونحو کے رسالے لکھے پاتنجل نے جوگ کی کتابیں تصنیف کیں کپل نے سانکھیہ والوں کا فلسفہ لکھا۔ اسی زمانہ میں برگزیدہ بیاس جی نے ویدوں کی تالیف کی اور والمیکی رامائن لکھی گئی۔ جس وقت تمام دنیا میں جہل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی ہندوؤں کی قوم میں اعلیٰ تہذیب

شایستگی اور ترقی کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ مذکورۂ بالا اول دوروں کے خلاف ہم اس دور کا زمانہ ایک ہزار سال سے کم شمار نہیں کر سکتے۔ اس کی ابتدا کپل اور دیگر چند فلسفوں کی پیدایش سے ہوئی۔ اس کا درمیان کُلچھیتر کی جنگ اور اُس کی انتہا بودھ مذہب کی ترقی کا زمانہ تھا

چوتھا دور بودھ مذہب کے دوران زمانہ میں گزرا۔ بالعموم لوگوں کا خیال ہے کہ بودھ بالکل ایک جدا مذہب ہے۔ مگر افسوس اس سے زیادہ اور کوئی رائے غلط نہیں ہو سکتی ہم آگے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ گوتم بدھ نے اسی مذہب کے وعظ دیئے جو سری کرشن نے تعلیم کیا تھا۔

بودھ مذہب کے اقبال کا ستارہ ہند میں ایک ہزار سال سے زیادہ چمکتا رہا اور یہ ہندؤں کی اعلیٰ تہذیب اور تمدن کا زمانہ تھا۔

مگر بودھ مذہب کے آخری زمانے میں بہت بڑا تغیر اور انقلاب ہوا۔ یعنی ادھر ہندو مذہب نے آہستہ آہستہ وسعت حاصل کر کے طاقت پکڑی اور عظمت پائی ادھر ہندوں کی تہذیب و شایستگی کو پیرانہ سالی نے گھیر لیا اور اُس میں ضعف آگیا۔

پانچواں دور بڑی روشنی کے زمانہ میں شروع ہوا اور تاریکی میں ختم ہوا۔ اس کی ابتدا وکرما دت کے عہد سلطنت اور شنکراچارج کی پیدائش کے زمانہ میں ہوئی اور اختتام مسلمان غنیموں کی فتحیابی پر ہوا۔ یہ دور سات سو برس تک قائم رہا۔ جس کے اول دو سو برس تک روشنی کا زمانہ تھا اور آخری پانسو برس میں سخت تاریکی رہی۔ اس دور کو پورانیک زمانہ کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں بیشمار پران اس غرض سے لکھے گئے کہ ہندو مذہب کا اثر بنی آدم کے دلوں پر بخوبی پڑے مگر کوئی عمدہ نتیجہ نہ نکلا۔ کیونکہ ہندؤں کی تہذیب روحانی عظمت و شان سے گر گئی اور اس کی روشنی کے مطلع پر تاریکی کی گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں۔

چھٹا دور ہندوستان میں اسلامیہ سلطنت کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں بھی علمائے دین کا ظہور ہوا۔ رشی اور سنت پیدا ہوئے اور ہندو مذہب کی روشنی پھیلانے کے لیے جو جہل کی تاریکی سے ماند ہوئی جاتی تھی بہت کچھ کوششیں کی گئیں۔ گو اس مذہب کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ہندؤں کی فضیلت۔ فوقیت اور عظمت جاتی رہی تھی تاہم غاصب زمانہ کی دست بُرد اور جبر و تعدی

سے اُس کا سر نہ جھکا۔ اُس میں شک نہیں کہ ہندو مذہب بظاہر دنیا سے مفقود ہو گیا۔ عام لوگوں کی سوسائیٹوں سے جو آئے دن کی خانہ جنگیوں اور جہل و تعصب سے معمور تھیں غائب ہو گیا۔ مگر وہ چند ایسے شخصوں کے دلوں میں ضرور باقی رہا جو سوسائٹی کے جھگڑے بکھیڑوں سے علیحدہ تھے اور وہیں نہایت خاموشی کے ساتھ روشنی ترقی اور وسعت حاصل کرتا رہا۔ اس وقت کے ہندو مذہب کی نسبت اگر کوئی زیادہ سے زیادہ خراب بات کہی جاسکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ مذہب حالت خواب میں تھا۔ مگر وہ اس حالت میں عرصہ تک نہیں رہا۔ سوتے ہوئے شیر کی طرح یکایک بیدار ہو کر گرجنے لگا اور ایک ہزار سال کے بعد اُس نے "نمے چتین" کے جھنڈے کے نیچے اپنی قدیم آب و تاب اور اصلی چمک دمک کے ساتھ جلوہ دکھایا۔

ہندو مذہب کا ساتواں اور آخری دور حال کا زمانہ ہے چھٹے دور میں اسے دنیا کے بڑے طاقتور مذہب اسلام سے مقابلہ کرنا پڑا آخری دور میں زمانہ موجودہ کے نہایت نامی گرامی مذہب مسیحی سے اسکی مڈبھیڑ ہوئی مگر کوئی اُس پر غالب نہ آسکا بلکہ ان مذہبوں کے مدمقابل ہونے سے اسے اپنی نشوونما تازگی اور طاقت و عظمت حاصل کرنے میں بہت بڑی مدد ملی ہے۔

ہماری رائے میں ہندو مذہب کی نشوونما اور بالیدگی ترقی کر رہی ہے۔ یہ امرت پھل کا سرچون درخت مقدس ویدوں کی زبان پاک سے مناسب موسم میں اُگا۔ سری کرشن کی آبیاری اس میں کو بلیں نکال لائی۔ اور گوتم بدھ کی پیدائش سے اسکی نشوونما کو اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل ہوا۔ اسکے بعد ہندو مذہب سے مختلف جدید مذاہب پیدا ہوئے اور وہ جہل و تعصب کے ہاتوں نہایت ردی اور زردہ حالت میں ہو گیا۔ مگر "نمے چتین" کی پیدائش سے پھر اُسکی اصلی اور پرانی قوتوں نے عود کیا۔

یہ ایک ذات یا فرقہ کا مذہب نہیں جیسا کہ عوام الناس کا عقیدہ ہے۔ بلکہ کل بنی نوع انسان کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ جس وقت دخانی جہاز ریل تار تجارت اور فتوحات سے کل دنیا مل جل کر ایک ہو جائیگی ایک اور رہنما پیدا ہو کر ظاہر کرے گا۔ کہ ہندو مذہب تمام دنیا کے انسانوں کے لیئے ہے۔ عامیانہ خیالات کے لوگوں کی رائے کے خلاف یہ جاہلوں اور ناپاکوں کا مذہب نہیں ہے۔ اسے رہنماؤں رشیوں اور سنتوں نے وضع کیا ہے۔ اگر کوئی شخص ہندو مذہب کو جاننا، پڑھنا، حاصل کرنا چاہے

تو وہ بڑے بڑے رشی اور سنتوں کی تلقین غور سے پڑھے۔ یہ بزرگ لوگ خدا کے اوتار تھے اُن کے اقوال وید مقدس ہیں جو آسمانی وحی اور ربانی الہام ہیں جو خدائے تعالیٰ نے اپنی عنایت سے انسان کو کرامت فرمائے ہیں۔

ہندو مذہب کے سمجھنے میں جو دقتیں پیش آتی ہیں اُن کا یہی باعث ہے کہ اور مذہبوں کی صرف ایک صورت ہے مگر اس کی تین مختلف شکلیں ہیں۔ یہ تینوں شکلیں نجات حاصل کرنے کے تین زینے ہیں۔ پہلا زینہ قربانیاں ہیں جو مادی اشیاء کی مدد سے کی جاتی ہیں۔ دوسرا زینہ دل کی صفائی ہے جس سے اوصاف حمیدہ کا اختیار کرنا نفس امّارہ کو قابو میں لانا اور ہر طرح پر دلی شرافت اور عظمت حاصل کرنی مراد ہے۔ تیسرا زینہ روح سے تعلق پیدا کرتا ہے۔

اور مذہبوں میں پہلے دو زینے نہیں ہیں۔ تیسرا زینہ کچھ یوں ہی ٹوٹا پھوٹا سا ہے اِن مذہبوں کے پیرو صرف دلی اصلاح پر زور دیتے ہیں۔ اسی اصلاح کو نیکیوں کے پیدا ہونے کا خاص ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ اور نیکیوں کے پیدا ہونے سے نجات کا ملنا قیاس کرتے ہیں۔ مگر ہندو تینوں طریقوں سے ہر ایک کو بجائے خود نہایت ضروری اور اعلیٰ درجہ کا کارآمد سمجھتے ہیں۔ یہی اور مذاہب سے اختلاف ہے اور اسی وجہ سے اُن کے مقابلہ میں ہندو مذہب کا ٹھیک اور صحیح طور پر سمجھنا بہت دشوار ہے۔

رہنماؤں کی تعریف

قدرت کاملہ کی ماہیت دریافت کرنے والے کو عالم اور اس کی صناعیوں اور دستکاریوں کا پُراثر الفاظ میں مرقع کھینچنے والے کو شاعر کہتے ہیں۔ عالم قدرتی اشیا کے اوصاف اور اُنکے قابل قدر فائدے بتاتا ہے۔ شاعر اُن کی حُسن وخوبی بیان کرتا ہے۔ علوم وفنون کے حاصل کرنے سے ہر انسان عالم ہوسکتا ہے۔ مگر شاعر اپنا قدرتی دماغ اور اپنی فطری ذہانت اپنے ساتھ ہی لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں عالم بہت ہیں شاعر کمیاب۔ ایسے شاعر جنھیں شاعر کہہ سکیں۔ سارے جہان میں دس بیس ہونگے اس کثرت اور قلت کا یہی سبب ہے کہ ہر شخص ذاتی تربیت سے اپنے مبلغ استعداد کو زیادہ قیمتی بناکر خطاب فضیلت حاصل کرسکتا ہے مگر بغیر الہام غیبی اور تائید آسمانی ہر انسان کا ذکی الطبع اور عالی دماغ شاعر ہوجانا محال ہے۔

جو فرق عالم اور شاعر میں ہے وہی نسبت فلسفی اور رہنما میں ہے۔ فلسفی ابدی خوشی کے طریقوں پر بحث کرتے ہیں اور رہنما اُسے حاصل کرنے کے راستے بتاتے ہیں۔ فلسفی ہر زمانہ میں سیکڑوں ہوتے ہیں مگر رہنما بہت کم پیدا ہوسکتے ہیں۔ فلسفی ہونا علوم نقلیہ کی تحصیل اور غور وفکر پر منحصر ہے اور رہنما غیبی الہام سے موئید ہوتے ہیں۔ اُن کے جسم میں خالق اکبر کا نور جلوہ گر ہوکر انسان کی بہتری کے لئے طرح طرح کے کارنمایاں کرتا ہے اس لئے رہنما خدا تعالیٰ کے مجسم نور پاک یا اوتار کہے جاتے ہیں۔

عالم موجودات کامل بالذات ہے۔ ذرہ سے لیکر سطح آسمان تک جس میں لاتعداد ستارے جڑے ہیں کوئی شے ایسی نہیں ہے جسکو غیر مکمل کہہ سکیں۔ کیونکہ اس عالم میں جہاں بشیار ضرورتیں خلق ہوئی ہیں وہاں اُن کو رفع کرنے کے لئے ہر قسم کے سامان بھی مہیا کردیئے گئے ہیں۔

ہر انسان کے دل میں ابدی خوشی حاصل کرنے کی ایک اندرونی خواہش ضرور

ہوتی ہے وہ از خود محسوس ہوتی ہے اور اس میں کامیاب نہونے کی وجہ سے انسان دل ہی دل میں کڑھتا ہے۔ بچے سے لیکر بڈھے تک ایسا کوئی بشر نہیں ہے جس کے دل میں یہ حسرت نہ بھری ہو اور جو اس کے نکالنے کی کوشش نہ کرتا ہو۔

کیا خدا تعالیٰ نے ایسا پانی پیدا نہیں کیا ہے جس سے یہ انسانی پیاس بجھے؟ کیا یہاں عالم نامکمل رہ گیا ہے؟ کیا آلام دنیوی سے جو انسان کے دل کو گھیرے ہوئے ہیں رہائی محال ہے؟ نہیں نہیں جس خداوند کارساز نے اس عالم موجودات کو تمام خوبیوں سے آراستہ کرکے کامل بنایا ہے اُس نے اس خواہش کے پورا کرنے کو ذرائع اور وسائل بھی پیدا کئے ہیں۔ یعنی عالم اسباب میں ایسے سبب بھی ہیں جنسے ابدی خوشی دائمی راحت اور نجات حاصل ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ ظاہری تمنا نہیں ہے جو قدرتی نعمتوں کے ملجانے سے پوری ہوجائے بلکہ یہ آگ انسان کے دل میں جلتی ہے۔ پس وہ پانی بھی جس سے یہ دل کی لگی بجھ سکے دل ہی میں موجود ہے۔

انسان کا دل بذاتہ بہت بڑا وسیع عالم ہے جس میں لاتعداد ذہنی قوتیں اور بیشمار چیزیں موجود ہیں۔ مگر یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ان میں وہ کونسی چیز ہے جو آب حیات کا اثر رکھتی ہے۔ جس کو پی کر انسان ابدی خوشی حاصل کرسکتا ہے۔ ہزاروں فلسفیوں نے دریائے فکر میں غواصی کی مگر دُرِ مقصود ہات نہ آیا۔ لاکھوں دانشمندوں نے اس دقیق مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی مگر طریق نجات کے دریافت کرنے میں قاصر رہے اور سعی مشکور نہوئی۔

بظاہر یہ حسرت انسان کے ساتھ ہی دفن ہوتی نظر آتی تھی۔ مگر حقیقی کارساز کا کوئی کام ادھورا نہیں ہوتا اُس نے ابدی خوشی کا رستہ بتانے کے لئے رہنما پیدا کئے جن کے نورانی قالب میں نور پاک نے جلوہ دکھا کر انکو سیدھی راہ چلنے کی ہدایت کی مگر ایک ہی وقت میں ایک ہی رہنما نے اس اہم امر کی تکمیل نہیں کی۔ مختلف زمانوں میں دنیا کے متفرق حصوں میں متعدد رہنماؤں کا ظہور ہوا۔ یوں سالہاسال میں یہ دشوار مرحلہ طے کیا گیا۔ یہ بہت صاف کھلی ہوئی بات ہے کہ جب انسانی خلقت الگ الگ فرقوں میں منقسم ہوگئی ہر فرقہ کی تعلیم وتہذیب میں اختلاف پڑا۔ ہر فرقہ کے حکما اور دانشمندوں نے مختلف رائیں ظاہر

گیں اور جداگانہ قواعد مرتب کئے تو کل فرقوں میں تعصب آمیز اور باطل خیالات پھیل گئے جو رہنمائے اول کے بحرِ فیض کی روانی میں حائل ہوئے اور اس کی ہدایات تعلیمات بنی آدم کے کل فرقوں میں نہ پہنچ سکیں یا جہاں پہنچیں وہاں اُن کے معنی غلط سمجھے گئے اور اُن میں طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ اس لئے دنیا میں اور رہنماؤں کی ضرورت ہوئی تاکہ پہلے رہنما کی تعلیمات گمراہوں کو شرح و بسط کے ساتھ سمجھائیں یا جہاں وہ ہدایات نہ پہنچیں ہوں وہاں اُن کی اشاعت کریں۔

کرم (عمل) گیان (علم) اور بھگتی (عشق) یہ تین بڑے اصول خدا تعالیٰ نے اپنے رہنماؤں کی سوانح عمری اور زبان سے انسان کو عطا کئے۔ انھیں اصول اعظم کا مجموعہ ابدی خوشی حاصل کرنے کا رستہ ہے۔ ہماری سمجھ میں آنے سے قبل یہ حکم الٰہی ہم کو کئی دفعہ سمجھایا گیا پہلے ہم نے لفظ عمل سنا اور اعمال کو علم اور عشق پر ترجیح دی اور تحقیق انیق کے بعد بہت مسائل ذہنی وضع کئے تاہم ہمارے ذہن میں نہ آیا کہ در اصل اس لفظ کا مفہوم کیا ہے۔

ایکہزار سال بعد دوسرے رہنما کا ظہور ہوا جس نے یوں لفظ عمل کی تشریح کی کہ علم کے کمال سے فرائض کو پہچاننا یعنی اعمال سے سچے اور پاک اعمال مراد ہیں۔ اس رہنما کی ذات عشق الٰہی کا وجود تھی۔ عوام الناس نے اسکے خلاف طہارۃ کو عشق سے برتر قرار پایا۔

دو ہزار برس بعد تیسرا ہادی پیدا ہوا جس نے عشق الٰہی کی تفسیر کی اور بیان کیا کہ قدرت کاملہ اور اُس کے خالق کا عشقِ کامل ہی علم ہے جو متبرک اعمال کو روشن کرتا ہے طہارۃ خواہ کیسی ہی مکمل کیوں نہو قادر مطلق اور اُس کی قدرت کاملہ کے عشق بغیر بہشت کا رستہ نہیں بتا سکتی۔

انسان کی نافہمی پر کمال افسوس ہے تین مرتبہ حکم الٰہی یعنی عمل۔ علم اور عشق غلطی نہ کرنے والی آوازوں سے سنا اور ہر مرتبہ اُس کے مطلب سمجھنے سے محروم رہا اس لئے اُس ایک حکم سے بہشت کے تین مختلف رستے پیدا ہو گئے بعضوں نے عمل یعنی کرم کانڈ اختیار کیا اور قربانی پرستش۔ بندگی عبادت وغیرہ اس سے مراد لی بعض نے علم یعنی گیان کانڈ کو ترجیح دی یعنی اور سخت اخلاقی پاکیزگیوں ریاضت اور دشوار قیود مذہبی کو راحت جاودانی

حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ بعض نے بھگتی مارگ یعنی عشق الہی میں محو و از خود رفتہ ہو کر تلقین کیا کہ رقص و سرود، تصور، اور خالق مطلق کی محبت ہی صرف ایسا جہاز ہے جو انسان کو اس بحر ناپیدا کنار کے ساحل پر پہنچا سکتا ہے۔ فلسفیانہ خیالات اور تعصب مذہبی نے اس جلتی آگ کو اور بھی مشتعل کر دیا اور انسانی خلقت مذہبی قیود اور متعصبانہ رسوم کے ناہموار میدانوں میں ٹھوکریں کھانے لگی۔

اُنھیں تین رہنماؤں پر عالم کی رہنمائی ختم نہیں ہو گئی۔ دنیا کے مختلف حصوں میں چند اور رہنما بھی گذرے جنہوں نے یہی تین اصول اعظم تلقین کئے یا زمانہ کی حالت اور اُن ملکوں کی ضرورت کے موافق جہاں ان کا ظہور ہو یہ اصول ثلاثہ یا اُن کے حصّے واضح کر کے سمجھائے اس طرح متفرق حصص عالم میں متعدد رہنماؤں کی رسالت مختلف مذاہب کے قیام کا باعث ہوئی اُدھر حکما اور دانشوروں نے ہر مذہب میں غور و فکر کے بعد دخل در معقولات کیا۔ ادھر مصلحان قوم اور بزرگان دین نے جو اپنے علم و فضل کے غرور سے خود بین ہو رہے تھے ترمیم و تنسیخ شروع کر دی الغرض ہر طبقہ کے عقلمندوں نے اپنے اپنے خیالات کے مطابق مذہبی قواعد اور اصول منضبط کئے اور اصل مطلب فوت ہو گیا۔

دراصل ہندوؤں میں یہ چار اعلیٰ درجہ کے رہنما ہوئے ہیں۔ پہلا رہنما پیدائش ہی کے دن سے نبوت کی قابلیت رکھتا تھا اور نور مقدس کا مجسم اوتار تھا۔ یہ صرف زمانہ کے سلسلہ ہی میں دنیا کا پہلا رہنما نہ تھا بلکہ ہر معنی میں اول رہنما ہونے کا مستحق تھا۔ کیونکہ جن رہنماؤں پر اس کو تقدم کا فخر حاصل تھا انہوں نے اسی کی تعلیمات کی تائید کی یا اُن کی شرح اور وضاحت کے ساتھ تلقین کی باقی اور تین رہنما پیدائشی اوتار نہ تھے جب اُن میں رسالت کی قابلیت اور انوار الہی کے ضبط کی طاقت پائی گئی اُس وقت اُن کا جسم خاکی پاک نور سے منور ہوا یہ رہنمائے اول کے کلام کے شارح تھے۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ ان چار رہنماؤں کے علاوہ ہندوؤں میں چند اور بھی رہنما گزرے ہیں لیکن معمولی خیالات کے آدمیوں نے عموماً غلطی سے رشیوں اور سنتوں کو بھی رہنما مان لیا ہے۔ رشی یعنی علما وہ لوگ ہیں جنہوں نے برسوں کی کتب بینی اور مراقبوں سے علم الہی حاصل کیا ہے۔ سنت یا فقرا وہ ہیں جن کو خدا شناسی کی عقل دی گئی ہے۔ جس کی بدولت وہ

اپنی ذاتی تربیت اور جسمانی ریاضت سے ابدی خوشی کا لطف اٹھاتے ہیں اور رہنا وہ ہیں جن کے قالب خاکی میں نور مقدس کی روشنی گمراہ انسانی خلقت کو بہشت کا رستہ دکھانے کے لئے چراغ ہدایت کا حکم رکھتی ہے۔

پہلا رہنا ایک کامل شخص تھا ہم اُس کی سوانح عمری میں اول سے آخر تک عمل ہی کی فضیلت پاتے ہیں۔ اُس کی زندگی کا اصل مقصود عمل تھا۔ دوسرا رہنا طہارت اور پاکیزگی میں بے نظیر ہوا۔ تیسرا عشق الٰہی کا وجود تھا۔ چوتھا توحید کے مسئلہ میں فرد تھا۔ ان کے سوا اور رہنا ان چاروں کے مقلد تھے

سوانح عمری سری کرشن

تقریباً چار ہزار برس پہلے ایک قوم گنگا اور جمنا کی دلکش وادی میں آباد تھی۔ جب اس قوم کی تہذیب اور شائستگی اوج کمال پر پہنچی بڑے بڑے فلسفی اور متبحر عالم ان لوگوں میں پیدا ہوئے جنہوں نے روحانی خوشی کا رستہ دریافت کرنے کیلئے بڑا دماغ صرف کیا۔ دنیوی تکالیف سے نجات پانے کے لئے بہت کچھ چھان بین کی۔ دقیق مسائل انسانی کو حل کرنے کے مختلف طریقوں پر بڑے شد و مد کے ساتھ مکالمے اور مباحثے کئے مگر کوئی قابل اطمینان نتیجہ پیدا نہیں ہوا۔ ابدی خوشی جاودانی راحت اور سعادت دنیا و آخرت حاصل کرنے کیواسطے مذہبی عقائد کے موافق جو طریقے ایجاد ہوئے اُن کی تکمیل کے لئے مختلف قواعد و اصول اور بہت سی رسوم قربانی وغیرہ اختراع کی گئیں تاہم نوع انسان کی پیاس نہ بجھی اور اُس چشمۂ حیواں تک جس کا آب مصفا زندگی جاوید بخشتا ہے۔ پہنچنے کی کوشش کرتا رہا۔

آخر کار دریائے رحمت الٰہی موجزن ہوا اور نور پاک نے آسمان سے نزول فرما کر ایک ملکوتی صفات رہنما کے قول و فعل سے انسان کو اُس رستہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی جو سیدھا ابد آباد کو چلا گیا ہے۔

یہ قدسی صفات رہنما سری کرشن مہاراج تھے انہوں نے ممالک متحدہ کے مشہور شہر متھرا میں ظہور فرمایا جو دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے۔ اس شہر کے کنارے دریائے جمنا کی روانی نے کوسوں تک زرخیز زمین کو سرسبز اور سیراب کر کے ایک خوشنما منظر بنا دیا تھا۔ دریا کے اوپر کی جانب تھوڑے فاصلہ پر تمال کا سرسبز جنگل تھا۔ ہر سمت تمال[1]۔ بکل[2] اور کدم کے جھاڑ اور خوش گنجان جھنڈ تھے۔ جن کے درمیان تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر لہلہاتے ہوئے سبزہ زاروں میں جا بجا سایہ دار درختوں کے تلے پاکیزہ اور خوشگوار چھوٹے چھوٹے تیرتھ جا بجا تھے۔ اس سکھ کش مرغزاروں میں خوبصورت ہرن غول کے غول ہری

[1] یہ درخت نواح برندابن میں اب تک اسی نام سے مشہور ہے [2] مولسری ۱۲ مترجم

ہری دوب پر کلیلیں کرتے اور سیکڑوں دلربا طاؤس پھولے پھلے درختوں کے سائے میں میں ناچتے تھے۔ یہ مقام باشندگان متھرا کا تفرج گاہ تھا۔ یہاں نوجوانان قوم اپنے عیش و عشرت کے جلسوں میں دن ہولی رات دوالی کے لطف اٹھاتے اور بزرگان خاندان جگ اور قربانیاں کرتے تھے۔ یہاں جادوں خاندان کی نوخیز کواری لڑکیاں رنگ رلیاں مناتی اور کتخدا عورتیں فرصت کے وقت جی بہلاتی تھیں۔ غرضکہ یہ فضا بندرابن دریائے جمن کے کنارے متھرا کے ہر چھوٹے بڑے امیر غریب اور نا و پیر کا رمنا تھا۔

متھرا سے چل کر تھوڑی دور نیچے کی طرف لب دریا ایک سرسبز گاؤں گوکل آباد ہے۔ یہ گوالوں کی بستی تھی جو جسمانی قوت، دنیاوی فارغ البالی کے علاوہ نیکبختی دیانت داری اور سادہ دلی میں ضرب المثل تھے۔ اُن کی مالی حالت اوسط درجہ کی تھی کوئی ان میں امیر کبیر نہ تھا تو کوئی فاقہ کش بھی نہ تھا۔ سب بیشمار مویشیوں کے مالک اور دریا کنارے کوسوں تک سرسبز و شاداب اراضی پر قابض تھے جس میں اُن کی مویشیوں کی چراگاہیں تھیں۔ اسی کی بدولت وہ اپنی قوم میں آزادی اور سادہ مزاجی کے ساتھ خوش گزران زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کی عورتیں حسین، دلفریب، راستباز اور سادہ مزاج تھیں، اس کے ساتھ ہی صانع قدرت نے شوخی اور بیباکی اُن کی رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ غرض گوکل میں تندرستی فارغ البالی اور حسن زاہد فریب کے ہر طرف دور دورے تھے۔ اسی سے یہ مینو سواد خطہ ایسا دلچسپ تھا کہ یہاں دیوتا آکر رہنے کی تمنا کرتے۔

اُس زمانہ میں جس کا ہم بیان کرتے ہیں اس شیر فروش فرقہ کے سرگروہ نندجی تھے۔ ان کے سوا اور کوئی شخص ایسا نیک اور لایق نہ تھا جو اس سادہ دل قوم کا سرپرست بنایا جاتا ان کی زوجہ جسودھا بھی تمام حمیدہ خصائل میں اُن کی ہمسر تھیں گوکل کے سب مرد و زن ان دونوں کو عزیز رکھتے اور معزز سمجھتے۔ ان سے خائف اور انکے فرمانبردار رہتے تھے۔ نندجی کا اخلاق اسقدر وسیع تھا کہ متھرا کے شاہی خاندان میں بھی ان کی عزت ہوتی تھی۔ اس وقت متھرا کا حکمراں راجہ کنس تھا۔ اُسکے ظلم، بیرحمی، ناانصافی اور سخت گیری سے جو اس کے خمیر میں تھی رعایا اُس سے نفرت کرتی تھی اور دشمن کانپتے تھے۔ مگر اُس کے شاہی رعب اور سلطانی

جبروت سے کسی کو اُس کے خلاف دم مارنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔

ظالم حکمراں اپنی رعیت سے ہر وقت خائف و مشکوک رہتا ہے۔ راجہ کنس بھی اسی مسلہ کلیہ کے تحت ہی میں تھا۔ اُسے بھی ہر دم یہی خوف دامنگیر رہتا تھا کہ دشمن موقع پاکر ہلاک نہ کر ڈالیں۔ اس نے اس امر کے دریافت کرنے میں سعی موفور کی کہ اُسے زیادہ تر کس شخص سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے تاکہ بطور حفظ ماتقدم اس سے محفوظ رہنے کی کوشش کرے۔ جب اُسے نجومیوں سے معلوم ہوا کہ اُس کی بہن دیوکی کا آٹھواں فرزند اُسکا قاتل ہوگا اُس نے فوراً اپنی بہن دیوکی اور اپنے بہنوئی واسدیو کو مقید کر کے مار ڈالنے کا قصد کیا جس سے اُن کی آئندہ نسل کا خاتمہ ہی ہوجائے۔ یہ دونوں قیدی راجہ کے قدموں پر سر رکھ کے رحم کے ملتجی ہوئے اور پاک حلف سے اقرار کیا کہ ہم اپنے کل بچے راجہ کے حوالہ کر دینگے اور وہ معصوم پیدا ہوتے ہی ہلاک کئے جائیں گے تب بھی اُف نہ کرینگے۔ اس گریہ وزاری نے سنگ دل راجہ کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ اس تجویز پر راضی ہوگیا اس نے ان دونوں کو اپنے محل ہی میں قید رکھا اور پوری پوری نگہبانی کی کہ قیدی اپنے نوزائیدہ بچوں کو کسی خفیہ طریقہ سے علیحدہ نہ کرسکیں۔

علی التواتر سات بچے پیدا ہوئے اور راجہ کے حوالہ کر دیئے گئے۔ راجہ نے بخیال مزید حفاظت خود ان سب کو ہلاک کیا۔ آخر کار کمبخت قیدیوں نے دل میں ٹھان لی کہ خواہ کچھ ہی نتیجہ کیوں نہ ہو اب کی بار حتی الوسع اپنے پیارے بچہ کی جان خونخوار راجہ کے غضب سے ضرور بچائیں گے اس مرتبہ نہایت حسین صاحب جمال فرزند دیوکی کے بطن سے پیدا ہوا۔ واسدیو نے فوراً اُسے کپڑے میں لپیٹ کر اپنے آغوش میں چھپالیا اور محافظین کی نظر بچا کر محلسرا سے باہر نکلے۔ قمری مہینہ بھادوں کی آٹھویں رات تھی ہر ذی روح کے دل میں جوش انبساط پیدا کرنے والا برسات کا موسم شباب پر تھا۔ جمنا کی طغیانی نے قریب قریب دونوں کناروں کو اپنے پاٹ وار دامن میں لے لیا تھا۔ نیلگوں آسمان پر کالی کالی گھٹائیں چھا ہوئی تھیں۔ بجلی کی چمک ، رعد کی کڑک آسودگان خاک کی میٹھی میٹھی نیند میں خلل اندازی کر رہی تھی۔ مینہ موسلا دھار برستا تھا اور ہوا بڑے زناٹے سے چل رہی تھی۔ گویا قدرت کاملہ جوش

میں آکر مستانہ وار اٹھکھیلیاں کر رہی تھی۔ واسدیو اپنے لخت جگر کو آغوش میں لیکر گوکل کو روانہ ہوئے طوفان خیز دریائے جمنا کو کسی نہ کسی تدبیر سے عبور کر کے نندجی کے مکان پر پہنچے اسی شب نندجی کے یہاں بھی لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اس وقت گوکل میں ہر طرف سناٹا تھا کوئی منکتا تک نہ تھا۔ اس ڈروانی رات میں خاموشی کے سوا اور کیا ہوتا سب اپنی اپنی جگہ دبکے دبکائے پڑے تھے۔

گوالوں کے سردار نندجی واسدیو کے بڑے مخلص دوست تھے۔ ان دونوں دوستوں نے باہم مشورہ کر کے اس لڑکے کی پیدائش سے پیشتر ہی اُس کی جانبری کے لئے مفید تدابیر سوچ لی تھیں اور ہر قسم کا انتظام کر لیا تھا۔ اسکے سوا واسدیو کی دوسری بیوی روہنی مع اپنے فرزند بلرام کے گوکل میں رہتی تھیں اس طور پر بھی نندجی اور جادون خاندان میں بہت اتحاد تھا۔ انھیں لوگوں کی مدد سے سری کرشن کی حفاظت کے لئے بہت غور و تامل کے بعد نہایت مدبرانہ کارروائی کی گئی اور اُس میں کامیابی ہوئی۔

اس وقت گوکل کے باشندے آرام سے پاؤں پھیلائے گہری اور میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے کسی کو کانوں کان خبر بھی نہوئی کہ نصف شب کو کیا ماجرا گذرا اور اس طرح وہ بچہ جو بیرحم راجہ کے ہات سے مارا جاتا بچ نکلا۔ دوسرے روز صبح کے وقت کنس کو معلوم ہوا کہ اُس کی ہمشیر نے لڑکی جنی ہے۔ وہ اُس لڑکی کو فوراً باہر نکال لایا اور اُس کے قتل کا حکم دیا۔

جسودھا نے واسدیو اور دیوکی کے نور بصر کو بڑی شفقت مادری سے دودھ پلایا اور نندجی نے بڑی احتیاط سے اُس کی پرورش کی۔ اس جادون خاندان کے شاہزادہ نے گوکل میں گوالوں کے بچوں کی طرح نشوونما پائی اور سارے گاؤں والوں کی مسرت کا باعث ہو گیا۔ گوال اور گوالنوں نے اِس کے مختلف نام رکھے مگر ہم یہاں صرف دو ہی نام لکھتے ہیں ان کی ماں اُنھیں کنہائی کہکر پکارتی تھیں اور گوالوں کے فرقہ میں اُنکا نام سری کرشن مشہور تھا

گوالوں کے لڑکوں کی تعلیم اور تربیت ظاہر ہی ہے۔ لکھنے پڑھنے کا ان لوگوں میں چرچا مطلق نہ تھا۔ پھر اس قوم کے لڑکوں کو سائنس فلسفہ اور زباندانی کے بھنور میں پڑنے کا کبھی بھولے سے بھی کیوں خیال آتا۔ سری کرشن نے ہوش سنبھالا تو گلہ بانی کی خدمت اُن

کے بھی سپرد کی گئی۔ وہ ہر روز گاؤں کے لڑکوں کے ساتھ چراگاہ میں جانے لگے۔ سری کرشن گو کسی علم و فن سے بہرہ ور نہ تھے تاہم بانسلی بجانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان کی بانسلی کی خوش آیند صدائیں اور سُریلی رسیلی تانیں ایسی دلکش ہوتی تھیں کہ گوکل کی گوالنیں اُنہیں سنکر مست ہو جاتیں اور عالم سرور میں وجد کرتی تھیں اسی بانسلی نے سری کرشن کی آخر عمر میں ناقوس کا بھیس بدلا جس کی ہولناک اور مہیب آواز خون ریز معرکوں میں نامور جری اور بہادر لوگوں کے دلوں میں جوش و خروش پیدا کر دیتی تھی۔

جمنا کی روانی سے گوکل بہشت بریں کا نمونہ تھا ہی۔ جس روز سری کرشن کا ظہور ہوا وہاں ہر شخص کے دل میں عشق و محبت کا دریا موجیں مارنے لگا۔ دنیاوی عیش و نشاط کی کھیتیاں اُس دریا سے لہلہاتی تھیں تو اس روح پرور چشمہ کی روانی سے ہر ذی روح کے دل میں روحانی خوشی کا نو دمیدہ سبزہ جھلک دکھانے لگا۔ ہر ایک مکان باطنی اطمینان اور روحانی فرحت کا کشت زار ہو گیا۔ شیر خوار سری کرشن اپنی ماں کے لاڈلے دہقانوں کی شادمانی کا ذریعہ۔ بچہ سری کرشن عورتوں کے پیارے کھلونے طفل سری کرشن لڑکوں کے عزیز رفیق اور ساتھی تھے۔ گوکل کے سب مرد و زن انھیں از حد پیار کرتے۔ مگر اس بے انتہا محبت کا سبب کسی کی سمجھ میں نہ آتا وہ اپنے بچوں کو بھی عزیز رکھتے مگر سری کرشن کی محبت اُن کی الفت سے بدرجہا زیادہ تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس محبت کا درجہ اُس الفت سے جو قدرت نے انسان کے دل میں پیدا کی ہے کہیں برتر تھا۔ سری کرشن سیدھے سادے نہیں بلکہ بے انتہا شوخ شریر اور چلبلے تھے۔ وہ ہمسایوں کے مکانوں میں چپکے سے گھس جاتے کھانے پینے کی چیزوں خصوصاً دودھ اور مکھن کی خوب چکھوتیاں کرتے۔ برتن توڑ ڈالتے اور اسی قسم کے ہزاروں نقصان کرتے۔ مگر وہ سب ان کے کچھ ایسے گرویدہ ہو گئے تھے کہ ان تمام نقصانوں کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتے تھے اس بچپن کی شرارت اور پڑوسیوں کی ایذا رسانی کا بہت جلد اُسی وقت خاتمہ ہو گیا جب سری کرشن اپنے باپ کی مویشیوں کی حفاظت اور نگہبانی کے واسطے چراگاہ جانے کے لئے مجبور کئے گئے۔ یہ بات جسودا جی کی مرضی کے بالکل خلاف تھی۔ لیکن مجبوراً انہوں نے

نہایت ناخوشی اور بیدلی سے سری کرشن کی جدائی گوارا کی۔ اور بار بار منت سے کہا "پیارے فرزند گھر سے بہت دور نہ جانا خوفناک دریائے جمنا کو عبور نہ کرنا بلکہ دریا کے پاس تک نہ پھٹکنا۔ مجھے اس بات کا ہر دم کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں راجہ کنس تمہیں نہ دیکھ پائے۔ تیز دھوپ میں ادھر اُدھر نہ پھرنا" غرض اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں کرتیں۔ جب سری کرشن اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گائیں لیکر چراگاہ جانے کو تیار ہوتے جسودھا جی وہ کھانے جو پیارے کنہائی کو زیادہ تر مرغوب تھے انکے ساتھ رکھدیتیں اور بہ تکرار تاکید کر دیتیں جب بھوک لگے ان کو کھالینا۔ اور خود گھر کے دروازہ پر کھڑی ہوکر محبت بھری نگاہوں سے شفیق ماں کی طرح الوداع کے طور پر سری کرشن کو جاتے ہوئے دیر تک دیکھا کرتیں۔

لڑکے سری کرشن کی محبت میں ایسے دیوانے ہو رہے تھے کہ ان کے پیارے کنہائی چراگاہ نجاتے تو وہ بھی وہاں جانے سے جی چراتے۔ بغیر شرکت و موجودگی سریکرشن کے کوئی کھیل نہ کھیلا جاتا اور نہ کبھی ایسے کاموں کا کچھ اہتمام ہوتا۔ سریکرشن ان لڑکوں کے دوست اور سردار ہی نہ تھے بلکہ اُن کے نزدیک وہی سب کچھ تھے۔ وہ انھیں طرح طرح کے کھیل کھلاتے۔ نئی نئی بازیاں ایجاد کرتے۔ اپنی محبت سے لبھاتے اور بانسلی کی میٹھی تانوں سے تفریح بخشتے تھے۔ سری کرشن نے اپنے لڑکپن کے زمانہ میں اکثر معجزنما اور فوق العادۃ باتوں کا اظہار کیا۔ بہت سے قوی ہیکل جانور، اور خونخوار جنگلی درندے مارے۔ ایک مرتبہ دریائے جمنا میں ایک اژدر وہاں کالا سانپ مارا جسے کالا ناگ کہتے ہیں۔

رفتہ رفتہ سری کرشن دائرہ محبت کے مرکز ہوگئے۔ انہوں نے اپنے گرد فرحت و انبساط کی ایک نئی دنیا پیدا کرلی۔ تیرہیں سال شروع ہوتے ہی انہوں نے گوکل کی کل دوشیزہ لڑکیوں کو لبھالیا۔ اُن کی حسن و خوبی خوش مزاجی۔ محبت اور جادو بھری بانسلی کے سحر فن نغموں کی بدولت وہ انبیرے اختیار فریفتہ ہوگئیں۔

صبح و شام وہ سب جمنا اشنان کرنے پانی بھرنے جاتی تھیں رستہ میں سری کرشن سے ملاقات ہوتی تھی۔ باہمی گفتگو۔ آپس کے اشارے کنائے۔ چہل اور دل لگی میں بہت وقت صرف ہونے لگا۔ چندروز میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ یکے بعد دیگرے سب

سری کرشن کی عاشق زار ہوگئیں اور سری کرشن بھی اُن سے محبت کرنے لگے رفتہ رفتہ وہ سب گرداب عشق میں ایسی پھنسیں کہ رہائی دشوار ہوگئی دن کو سری کرشن کے پاس انکے ساتھیوں کے جگھٹ رہتے تھے اور گوپیوں کو بھی خانہ داری کے کاموں سے فرصت نہوتی تھی اشنان گھاٹ یا پنگھٹ کے رستہ کی ملاقاتوں سے اُنکے آرزو مند دل تسکین نہ پاتے تھے۔ لہذا گوپیوں نے چاندنی راتوں میں قرب وجوار کے باغوں چمنستانوں اور سبزہ زاروں میں سری کرشن سے ملنا شروع کیا وہاں وہ بانسلی کی آواز کے اشارے پر دوڑ دوڑ کر جاتیں اور کنجوں میں جہاں پاک محبت اور سچی خوشی کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا اپنے روحانی محبوب کے ساتھ مختلف کھیل تماشوں کا لطف اُٹھاتیں۔ سری کرشن جس طرح چراگاہوں میں لہو ولعب سے گوالوں کو مسرور کرتے اسی طرح گوپیوں کی خوشی کے لئے باغوں اور کنجوں میں طرح طرح کے کھیل تماشے اور دعوتیں کیا کرتے تھے۔ ان مختلف کھیل اور تفریحوں سے یہاں ہم صرف دو ہی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ بارش میں جھولے ڈالے جاتے اور موسم بہار میں گلال اور عبیر کے قمقموں سے ہولی کھیلی جاتی گوکل کی سب گوپیاں اور گوال ان دونوں تفریحوں میں شریک ہوتے تھے۔

سری کرشن کے کھیل تماشوں دلکش نغموں اور عالم گیر محبت نے جن گوپیوں اور لڑکوں کو اُن کی طرف رجوع کردیا تھا وہ صرف گوکل یا صرف انہیں کے فرقہ کے نہ تھے بلکہ اکثر دور دور سے اُنکی بزم عشرت میں شامل ہونیکو آتے تھے۔ دور تک جمنا کے دونوں کناروں کے دیہات اور شہر متھرا کے لڑکے لڑکیاں سری کرشن کے گرد جمع ہوتے ان سے محبت والفت کرتے اور اُس روحانی خوشی کا جو وہ سب کو بیدریغ بخشتے تھے لطف اٹھاتے تھے۔ اس پاک اور سچے عشق میں جس میں دریا کے دونوں کناروں کے گاؤں کی عورتیں مبتلا تھیں شہوت پرستی نام کو بھی نہ تھی کیونکہ جب یہ واقعات گوکل میں گذرے سری کرشن کی عمر صرف گیارہ برس کی تھی۔

ایک مرتبہ سری کرشن نے رقص دائرہ کا ایک بڑا جلسہ قرار دیا۔ اس کے لئے گوکل کے فرحت افزا باغوں اور سبزہ زاروں کے سوا بندرابن جیسی دلاویز جگہ کے رہنے ہی

مناسب مقام تجویز ہوئے جو اپنی جوش فزا اور دلربا قدرتی ترتیب کے سبب اہل شہر کے لئے تفرج گاہ تھے جنھیں جمنا کے شفاف پانی کی روانی اور اس کی بخشی ہوئی شادابی اور بوقلموں اشجار کے پتوں کے مختلف رنگوں کی بہار نے عجیب دلچسپ قدرتی عیش باغ بنا دیا تھا۔ وقت بھی بہت سہانا خزاں کی پورنماشی کی شب ماہ مقرر ہوا جبکی نکھری چاندنی سے تمام دنیا جگمگا اُٹھتی ہے۔ اِسی دلکش مقام اور اسی سہانے وقت میں یہ رہس کا جلسہ بڑی شان شوکت سے منعقد ہوا۔ قرب وجوار کی تمام حسین مہ جبین نوجوان گوپیاں بیش بہا پوشاکیں زیب تن کئے پھولوں کے زیور پہنے۔ عطر میں بسی خرام ناز سے قدم قدم پر انا برق کہتی آئیں اور رقص میں شریک ہوئیں۔ اس عظیم الشان جلسہ کی تعریف میں بڑے بڑے شعرا ئے نازک خیال کو چپ لگ گئی ہے اور اعلیٰ درجہ کے جادو بیان مقرر دم بخود رہ گئے ہیں تو ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسکا قصد ہی نہ کریں۔

عورتیں لڑکے لڑکیاں اور بچے ہی سری کرشن کی سلطنت عشق کے باجگزار نہ تھے اُن کے فرقے کے سارے گوال اور کل مذہبوں اور ملتوں کے شخص بھی اس قربان گاہ کے شہید تھے۔ وہ سب ہر امر میں بغیر کسی شرط کے انکے مطیع اور فرمانبردار ہو گئے تھے۔ انکا عشق رشتہ داری کے تعلقات آداب صحبت کے قواعد اور کل دنیاوی تفکرات پر فایق تھا۔ سب پیر وجوان اور ہر خاندان کے محترم سرپرست سری کرشن کے قدمبوس ہوتے اُنھیں اپنا پیشوا اور سردار مانتے تھے۔ اب ہم آپکو ایک واقعہ سُناتے ہیں جس سے سری کرشن کے اقتدار کی وسعت جو اُنھیں اپنی قوم پر حاصل تھا بخوبی واضح ہو جائیگی۔

ایک دن گوکل کے سب بزرگ ایک بڑے جگ کی تیاری مصروف تھے۔ اُس زمانے میں اہر یعنی اندر دیوتا کی خوشنودی اور رضاجوئی کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرتے تھے۔ اندر بارش کا دیوتا مانا جاتا تھا اور بارش کی زراعت کیلئے اشد ضرورت ہوتی ہے۔ پس اور دیوتا اور دیویوں کی بہ نسبت اُس کی پرستش بہت زیادہ ضروری سمجھی جاتی تھی۔ اس موقع پر سری کرشن نے بالکل نیا مذہب تعلیم کیا اور اُس مذہب کے خلاف وعظ کہا جو اُس وقت بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اس نئے وعظ و تلقین نے اُن لوگوں کے دلی عقائد کو بالکل پلٹ دیا اور انھیں

قدرت پرستی کی جانب رغبت دلائی۔

سری کرشن نے اپنے پدر بزرگوار سے دریافت کیا کہ یہ انتظام کسلئے ہو رہا ہے؟ آپ سب اس میں اسقدر کیوں مشغول ہیں اور کس کی پرستش کرنی چاہتے ہیں"؟ نند نے جواب دیا۔ پیارے فرزند! بموجب رسم زمانہ ہم اندر دیوتا کے حضور میں ایک قربانی پیش کیا چاہتے ہیں۔ اندر بارش کا دیوتا ہے جسکے حکم سے مینہ برستا ہے۔ کیونکہ بارش ہی سے زمین زرخیز ہوتی ہے اور زمین کی پیداوار ہی پر انسان کی زندگی۔ فلاح اور آرام کا دار و مدار ہے۔

اُسیوقت اُسی عالم طفولیت میں سری کرشن نے بزرگان گوکل کو ایک نئے مذہب کی تلقین کی۔ گو وہ انکے لڑکپن کا زمانہ تھا۔ انہوں نے علم و ہنر کچھ حاصل نہ کیا تھا مذہبی تعلیم نہ پائی تھی۔ وہ صرف ایک گوال کے لڑکے تھے تاہم انکے الفاظ نے ایسا اثر ڈالا کہ سب نے اُنکی بیعت قبول کی اور زمانہ کا موجودہ معزز و مقبول مذہب ٹکسال باہر ہو گیا۔

سری کرشن نے فرمایا انسان کی ہستی اُسکے اعمال کا لب لُباب ہے انسان کی پیدائش راحت و مصیبت نیکی و بدی سب اُسکے اعمال پر منحصر ہے۔ انسان سے اعمال سرزد نہ ہوں تو اُسکو سزا جزا کسی قسم کی نہیں ملسکتی۔ دنیا میں اگر کوئی شے اعلیٰ اور برتر سمجھی جاے تو وہ صرف اعمال ہو سکتے ہیں اندر کی پرستش ایک فعل عبث ہے اُسکے اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے۔ کل عالم قدرت کاملہ سے وابستہ اور قدرت خالق اکبر کا فعل ہے پس فعل خدائی ہماری زندگی افعال پر مبنی ہے ہمیں اپنی زندگی منظور ہے تو ضرور فاعل بنیں۔ اسلئے وہ چیز جو ہمیں زندہ رکھتی ہے قابل پرستش ہے۔ گائیں ہماری وجہ معاش ہیں چراگاہ اور سامنے والی پہاڑی[1] ہماری گایوں کی پرورش کا ذریعہ ہیں ہمکو انھیں کے واسطے قربانیاں کرنی مناسب ہیں۔ اندر کی پرستش فضول ہے۔

سری کرشن بالکل کم سن تھے مگر ان لوگوں کے لوح پر انکی محبت اور عظمت کا نقش کچھ ایسا مرتسم ہو گیا کہ وہ روحانی بہبودی کیلئے اپنے قدیم مذہب کو پامال کر کرشن کے پیرو ہو گئے اور اُنکے ساتھ گوردھن پہاڑ پر جا کر قدرت کاملہ کی پرستش میں مشغول ہوئے۔

[1] گوردھن پہاڑی سے مراد ہے۔ مترجم

یہ حیرت انگیز واقعات پوشیدہ نہ رہ سکے۔ گھر گھر سری کرشن کا نام مشہور ہوگیا
انکے کارہائے نمایاں زبان زد ہر خاص و عام ہوگئے۔ متھرا کے ہر گلی کوچہ میں ہی اُن کی
عظمت کا شہرہ نہیں ہوا بلکہ ساری قلمرو میں دہوم مچ گئی۔ راجہ کنس نے اس کی سن گن پائی
تو اُسے بہت اندیشہ ہوا۔ کنس اسوقت سریکرشن کو ایسا مضرت رساں نہ جانتا تھا۔ تاہم اس
سے پہلے سری کرشن کے حالات کے تجسس کے لئے خفیہ طور سے مخبر جاسوس مقرر کئے گئے
تھے اور چند مرتبہ انکی ہلاکت کی کوشش بھی کی گئی تھی۔ اب اس واقعہ نے اُسے بہت ڈرایا
اور جسوقت اُسے معلوم ہوا کہ سری کرشن نند کے بیٹے نہیں بلکہ اُسکے ہمشیرزادے یعنی
دیوکی کے فرزند ہیں جنکے لئے اُسنے اِتنے معصوم بچوں کا خون بہایا ہے تو اُسکے اور بھی
رہے سہے حواس غائب ہوگئے۔ کچھ کرتے دہرتے نہ بن پڑی۔ غصہ سے تھر تھر کانپنے لگا
اور آنکھوں سے آگ کی چنگاریاں برسنے لگیں مگر دل ہی دل میں ضبط کرکے دم بخود رہ گیا
اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ سری کرشن تمامی باشندگان متھرا کے معبود ہوگئے ہیں۔ کھلے بندوں
اُنکے قتل کی کوشش کرنی رعیت کے دلوں میں بغاوت کا بیج بونا ہے۔ اسکے ساتھ ہی یہ
بھی خوف تھا کہ فوجی سپاہی کرشن کا مقابلہ نہ کرینگے بلکہ ٹوٹ کر انھیں سے جا ملینگے۔ اس لئے
اس نے سریکرشن کو دغا سے قتل کرنیکا قصد کیا اور جی میں ٹھان لی کہ جس تدبیر سے ممکن ہوگا
دشمن کے ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھونگا۔

ایک شخص اکرور متھرا میں رہتا تھا۔ سری کرشن سے اُسکا بہت اتحاد تھا راجہ کنس
نے اُسے اپنے دربار میں طلب کرکے بڑی تعظیم و تکریم سے استقبال کیا اور بہت سے تحائف
دیکر کہا "اے نیک مرد ہمنے سُنا ہے کرشن ہمارے ہمشیرزادے ہیں ہماری غیرت نہیں
چاہتی کہ وہ ایک گھوسی کے لڑکے بن کر رہیں۔ اُنھیں متھرا میں آکر شاہزادوں کی طرح رہنا
چاہیئے ہمنے یہ بھی سنا ہے کہ سریکرشن کو تم سے بہت محبت ہے پس تم ہی اُنکو سمجھا بجھا کر
بہ اعزاز تمام ایوان شاہی میں لے آؤ۔ وہ یہاں آکر اپنے خاندانی شاہانہ طرز معاشرت
سے زندگی بسر کریں"

یہ شاہی پیام لیکر اکرور گوکل میں پہنچا تو وہاں شادی و غم دونوں کے متضاد اثر نے

لوگوں کے دلوں کی کچھ عجیب حالت کردی جو خود اُن سے بیان نہ ہوسکتی اور نہ اُنکے دل اسکے متحمل ہوسکتے تھے۔ سب کو سری کرشن کی قدر افزائی سے جسقدر خوشی ہوئی تھی اتنا ہی رنج اور صدمہ اُنکی مفارقت نے اُنھیں دیا تھا۔ سب اس ناقابل برداشت حالت سے بہت بے چین تھے۔ سری کرشن نے رخصت کے وقت سب کی تسلی و تشفی کی۔ وعدہ کیا ہم بہت جلد واپس آئینگے اور کرور کے ساتھ متھرا کو سوار ہوگئے۔

راجہ کنس نے نہایت شفقت اور مہربانی سے سری کرشن کی آؤبھگت کی بڑی شان و شوکت سے انکے خیر مقدم کا جلسہ منعقد کیا اُنکی آمد کی خوشی میں طرح طرح کی تفریحوں کا انصرام ہوا ان کھیل تماشوں میں ایک مشت زنی کی لڑائی تھی۔ اس میں سری کرشن سے بھی شرکت کی درخواست کی گئی۔ کنس نے خفیہ طور پر سری کرشن کی ہلاکت کے لئے مشت زنوں سے اشارہ کردیا تھا۔ سری کرشن فوراً تاڑ گئے کہ ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ ادہر حاضرین جلسہ بھی راجہ کے فاسد ارادہ سے واقف ہوگئے اور یوں یہ راز سربستہ سب پر کھل گیا۔

سری کرشن نے خونخوار مشت زن کو بڑی آسانی سے ہلاک کیا۔ اسکے بعد کنس پر حملہ کیا اور آن کی آن میں اُسے بھی جہنم واصل کردیا اُسوقت بڑی ہل چل پڑ گئی۔ ہر طرف سے تحسین و آفریں کی صدائیں بلند ہوئیں۔ آخر کار اہل متھرا نے متفق الرائے ہوکر سری کرشن کو تخت پر بٹھادیا۔

سری کرشن کو تخت و تاج کی ہوس ہی نہ تھی۔ انہوں نے پیر کہن سال راجہ اُگرسین کو جو کنس کے بندی خانہ میں قید تھا طلب کیا اور کہا کہ مجھے سلطنت کی حاجت نہیں نہ سلطنت کو میری ضرورت ہے۔ مجھے تو گوکل رمنوت میں رہنے کے سوا کوئی بات بھی بھلی معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے تمہارے فرزند کو تخت و تاج کی طمع سے قتل نہیں کیا ہے اُسکی بدکرداری حد کو پہنچ گئی تھی وہ ظلم و تعدی سے اپنی رعایا کے حق میں بلائے بیدرماں ہوگیا تھا۔ مینے فقط رعیت کی حفظ و امن کی غرض سے اُس کی جان لی ہے تمہارا تخت و تاج تمہیں مبارک ہو۔ تم جادوں خاندان کے معزز سرپرست ہو۔ میری یہی تمنا ہے کہ تم ہی تخت نشین ہوکر رعایا پر حکمرانی کرو۔

اِس کے بعد سری کرشن کنس کی گریہ کناں بیوہ رانیوں اور دیگر اقربا کی طرف

مخاطب ہوئے۔انکو ہر طرح تسلی وتشفی دی۔ اُنکے پاؤں پر سر رکھکر معافی مانگی۔ پھر شاہی جلوس سے کنس کی تجہیز وتکفین کا حکم دیا۔ اور حتی الوسع اس صدمۂ عظیم پر صبر دلانیکو سب کی دلجوئی کی۔ کنس کی نعش شعلوں کے سپرد کردی گئی اور راجہ اگرسین تخت پر بیٹھا۔ سری کرشن نے ان دونوں تقریبوں کے بعد تحصیل علم کے لئے "سندی پن رشی" کے پاس جانیکی تیاری کردی۔ انھیں اہل دنیا کی تلقین کیلیے حصول علم وکمال کی بہت ضرورت تھی اور اسکا موقع اب ملا تھا۔

اب سری کرشن کی طبیعت نے ایسا پلٹا کھایا کہ بچپن کی شوخیاں اور شرارتیں خواب وخیال ہوگئیں۔ اس طرفہ تغیر نے اُنھیں ایک متین مدبرِ امور سلطنت کا اچھا ماہر قوی اور لایق حکمراں بنا دیا۔ اور اپنے عزیز ہمجولیوں پیاری گوپیوں اور مطیع پرستش کرنیوالوں کو بالکل بھول گئے۔ اُنھیں اپنی ماں جسودہا اور باپ نند کا بھی خیال نہ رہا۔ جب یہ سب سری کرشن کے لینے کو انکے ایوان شاہی میں گئے اُسوقت جو تقریر اُنھوں کی وہ اُس شعر کے مفہوم کا مصداق تھی جو پرنس †ہنری نے اپنے خوش طبع دوستوں کے روبرو پڑھا تھا۔

اگلا سا وہ مزاج وہ عادت نہیں رہی وہ ہم نہیں رہے وہ طبیعت نہیں رہی

† پرنس ہنری شاہ پروشیا انگلستان کے شاہ عالم پناہ ایڈورڈ ہفتم کی بڑی ہمشیرہ ہرامپریل میجسٹی فریڈرک وکٹوریہ کے بطن سے جو قیصر ہند مرحومہ کی بڑی بیٹی تہیں۔ اگست ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوکر شہنشاہ جرمنی فریڈرک والی جرمن کے قابل افتخار فرزند ہوئے جو قیصر ولیم ثانی شہنشاہ جرمنی کے چھوٹے بھائی ہیں آپ کی شادی پرنس آئی رین آف ہیسی سے جو پھیری بہن ہوتی ہیں۔ ۲۴ رمئی ۱۸۸۸ء کو ہوئی۔ آپ نے مثل اپنے بڑے بھائی قیصر ولیم کے تعلیم حاصل کی مگر جرمنی کے دستور کے موافق شہنشاہ خود مختار ہوتا ہے آپ کے بڑے بھائی کی وہ شہرت نہ ہوئی۔ تو فوجی عہدہ سب سے اعلیٰ پایا ہے مگر آزادانہ کمان اُس وقت میں ملی جب ۱۸۹۸ء میں چین کو جنگی بیڑہ ان کی سرکردگی میں روانہ کیا جسطرح گوڈس نے پورٹ آرتہر وغیرہ چینی مقامات پر قبضہ کرلیا تہا ہنری آف پروشیا نے بھی چینی علاقہ پر قبضہ کرکے سو برس بعد چھوڑ دینے کا معاہدہ تحریر کردیا۔ مہم چین پر جانے سے پیشتر مقام برلن میں جو تقریر آپ نے کی تھی اُس میں جہاں اپنے بڑے بھائی کی بہت کچھ تعریف کی وہاں اپنی فرمانبرداری اور اطاعت کا بھی ایسا بیان کیا کہ جس سے اخبارات کو عرصہ تک رائے زنی کا موقع ہاتھ آیا۔ مذکورہ بالا تلمیح بھی شاید اسی تقریر کا کوئی جزو ہوگی۔

حسن و عشق کے جھگڑے طے ہو گئے چہل پہل کا زمانہ گذر گیا۔ مذاق و دل لگی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس کا سبب یہی تھا کہ سری کرشن کو اب پولیٹکل دنیا میں بہت کچھ کرنا تھا۔ اندرونی قضیوں اور آپس کے جھگڑوں سے ہندوستان کی حالت بہت نازک ہو رہی تھی۔ ظالم راجوں نے بہت زور پکڑا تھا۔ رحم دل حاکم کبریت احمر کا حکم رکھتے تھے۔ بدکرداروں کی ظلم و تعدی سے رعایا اپنی جان لیکر جنگلوں میں جا چھپی تھی سری کرشن یکایک سلطنت متھرا کے رکن ہو گئے تو انھیں مظلوموں کی حمایت اور ملک کی امن و آسائش کیلئے بہت کچھ کرنا پڑا۔ گو فی الواقع وہ ایک ہی صوبہ کے حکمران ہوئے۔ مگر کل ہندوستان کی عنان حکومت اپنے ہات میں لے سکتے تھے انھیں تمام لڑنے والی جماعتوں کے فرقوں کو اپنے علم نصرت و فیروزی کے تلے جمع کرنے اور ظالموں کی گوشمالی اور مظلوموں کی اعانت کرنیکی قدرت حاصل تھی۔ انھوں نے سوچا کہ محبت اور خوشحالی کی سلطنت کو پھیلانے اور وسعت دینے کے لئے بیشک ابھی بہت اہم کام باقی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال کیا کہ ہند کا وسیع براعظم کچھ گوکل ہی تک محدود نہیں ہے۔ جو کچھ ہمنے اپنے وطن میں کیا ہے اُس کا عملدرآمد ایسی وسیع مملکت میں کرنیکے واسطے بہت بڑی حکمت عملی اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت کی ضرورت ہے۔ اس مہم عظیم کی انجام دہی کے لئے سری کرشن میں عالی دماغی، وسعت خیال اور بلند حوصلگی کی حاجت تھی۔ مگر یہ سب باتیں انھیں پہلے ہی سے بوجہ اکمل حاصل تھیں۔

یکایک ان کی طبیعت میں ایسا تغیر واقع ہوا کہ سب کو کمال حیرت ہوئی اُنکے ہمجولی لڑکے جب ان کے شاہی دربار میں حاضر ہوئے تو انھوں نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا "گوکل کی بودوباش کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب تم ہم کو اپنا لنگوٹیا یار اور پیشوا نہ سمجھو۔ جس طرح ہم مختلف تفریحوں سے گوپیوں کا جی بہلاتے تھے اسی طرح تم بھی اُن کو خوش رکھنے کی کوشش کیا کرو۔ اب یہی مناسب ہے کہ تم گوکل کو واپس چلے جاؤ اور ہم کو آج سے اپنا بادشاہ اور حکمراں جانو۔ جس وقت گوپیاں شکستہ دل آنسو بہاتی انکے دروازے پر آئیں تو انھوں نے بکمال متانت اُن سے واپس جانے کو کہا اور درخواست کی کہ اب تم ہماری یاد دل سے فراموش کر دو اور حالت جدائی میں بغیر ہماری ملاقات کے خوش و خرم رہا کرو۔ اور جب ان کی ماں جسودہا اور باپ نند مع دیگر اعزا و اقربا ان کے دیدار کو ان کے پاس آئے انھوں نے نہایت ادب سے التجا کی "اب سے آپ مجھے اپنا فرزند تصور نہ کریں بلکہ اعلیٰ خاندان یادو کا شاہزادہ اور اپنا موجودہ فرمانروا مانیں"

اُدھر گوکل میں جوش گریہ نے ندیاں بہائیں - نالہائے جگر خراش کی صدائیں آسمان کی خبر لائیں - ادھر متھرا میں خوشی کے شادیانے بجے سب فرحت و انبساط کے پتلے بن گئے - ان لوگوں کی محبت و الفت جو انھیں سری کرشن کے ساتھ تھی اس بے انتہا خوشی اور رنج کا باعث ہوئی یعنی باشندگان گوکل صدمۂ فراق کی تاب نہ لا سکے اور اس دائمی جدائی نے ان کی زندگی وبال کر دی - اور اہل متھرا فرط انبساط سے جامے میں پھولے نہیں سمائے کہ آخر کار اُن کے پیارے کرشن انھیں کے سردار اور حکمراں ہوئے - بیرحم سنگدل ظالم راجہ کنس کا خاتمہ ہوا اور اپنی بد اعمالیوں کی سزا پائی - فخر ہند سری کرشن کا ستارۂ اقبال چمکا اور عنان حکومت ہاتھ میں آئی - اہل متھرا کے لئے اس جہان فانی میں اس سے بڑھ کر اور کونسی خوش نصیبی ہو سکتی تھی -

سندی پن رشی کے مکان پر سری کرشن اور اُن کے بھائی بلرام نے علوم فلسفہ الہیات، سیاست مدن اور اصول حکمت کی تعلیم پائی - فنون سپہ گری بھی حاصل کئے علاوہ دماغی طاقت کے سری کرشن جسمانی قوت میں بھی عدیم المثال تھے انھوں نے اور علوم کی طرح فن تیر اندازی بلکہ جملہ جنگی فنون میں اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا کی اپنی فطری قابلیت کے سبب سری کرشن چند ہی سال میں علوم رائج الوقت میں یگانۂ آفاق اور فنون سپہ گری میں طاق ہو کر شہر متھرا کو واپس آئے -

اُن کی غیبت میں زبردست راجہ جراسندہ نے متھرا پر چڑھائی کی - اس کی دو بہنیں کنس کے ساتھ منسوب تھیں یہ اپنے خاوند کے مارے جانے کے بعد رنڈاپا کاٹنے کو بھائی کے گھر چلی گئیں اور یادوں خاندان مخصوصاً سری کرشن کی سخت شاکی ہوئیں یہ بات سُنکر جراسندہ کو طیش آ گیا اور اُس نے بے شمار سپاہ سے متھرا پر دھاوا کیا مگر سری کرشن بہت جلد پہنچ گئے اور غنیم کو حدود سلطنت سے مار کر نکال دیا ابھی لڑائی پر بس نہیں ہوئی جراسندہ نے متھرا پر متواتر سترہ حملے کئے مگر ہر مرتبہ شکست پر شکست کھائی اور ہزیمت پر ہزیمت اٹھائی - اٹھارہویں دفعہ وہ طاقتور شودر کالیاہن سے مل گیا جس نے اُس کی کمک کے لئے تمام شمال کی پہاڑی شودر قومیں جمع کریں - اس وقت سری کرشن کے پاس اس کوہستانی جم غفیر کے مقابلہ کے لئے کافی فوج نہ تھی - ان کو خیال ہوا کہ شجاعت کے لئے پیش بینی ضرور ہے - پس جیسے ہی یہ خبر پہنچی کہ کالیاہن اپنی خانہ بدوش سپاہ لیکر متھرا کی جانب روانہ ہوا انھوں نے سمندر کے ساحل پر ایک نئے شہر کی تعمیر شروع کر دی اور اس کا نام دوارکا رکھا یہ

ایسی جگہ تھی جس پر قبضہ کرنا بہت دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن تھا۔ اور محاصرہ کے وقت تھوڑی سی فوج سے اُس کی حفاظت بخوبی ہو سکتی تھی۔ متھرا کے مرد و عورت اور بچوں کو سری کرشن نے اس شہر میں بھیجدیا اور میدان جنگ میں کالیا ہن کو ایک گھات سے قتل کر کے شجاعت کی ایسی داد دی کہ مخالف کی سپاہ کے دانت کھٹے ہو گئے۔ مگر اسی وقت اس فتحیاب فوج پر جراسندہ بلائے ناگہانی کی طرح ٹوٹ پڑا اور بہادروں کے پاؤں میدان سے اُکھاڑ دیئے وہ جان لیکر بھاگے۔ ہزیمت نصیب سپاہ کا سایہ کی طرح پیچھا کیا گیا۔ مگر سری کرشن کسی تدبیر سے بخیر و عافیت دوارکا میں پہنچ گئے۔

چند ہی سال میں سری کرشن کو سب حکمرانوں پر فوقیت حاصل ہو گئی۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس قدر برتری اور فضیلت ان کو کس طرح حاصل ہوئی۔ مگر صرف یہی کہنا کافی ہے کہ وہ اُس وقت ایک ایسے شخص تھے جن کی دوستی اور مہربانی کی ہر شخص کو تمنا تھی جن کی چشم عنایت کے لوگ امیدوار رہتے اور نظر قہر سے ڈرتے تھے بڑے بڑے ذی اختیار اور طاقتور فرمانروا اُن کا اعزاز و اکرام کرنے میں سب سے پہلے سرخرو ہونے کی سعی کرتے تھے۔ اُس وقت کی اور چھوٹی بڑی ہندی طاقتوں کا ذکر ہے۔ کورو اور پانڈو جو فی الحقیقت ہند کے شہنشاہ تھے پورے طور پر سری کرشن کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ اُن کی رہنمائی کے محتاج تھے اور اُن کی دوستی اور مہربانی کو اپنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ اس خاندان کے سرپرست زمانے کے مشہور بہادر اور مدبر ملک بھیشم نے سری کرشن کو خدا کا اوتار تسلیم کر کے اُن کی بندگی اور پرستش شروع کر دی تھی غرض سفید پوش کوہ ہمالیہ سے متھرا اور دوارکا سے کچھیا تک وہ سب حکمرانوں کے حکمراں ہو گئے اور ہندوستان کی سیاست اور مذہب دونوں کی کنجیاں اُن کے ہاتھ میں آ گئیں۔ لوگ اُن کی اعلیٰ فہم و فراست کے قائل تھے اور ظاہراً و باطناً عشق صادق کے ساتھ سب اُن کی پرستش کرتے تھے۔

سری کرشن نے چند شادیاں کیں۔ پہلی شادی رکمنی کے ساتھ ہوئی بعدہ ست بھاما وغیرہ سے عقد ہوا۔ یہ سب شاہزادیاں اعلیٰ شاہی خاندانوں سے تھیں اس کے ساتھ انھوں نے اپنی فوج میں اضافہ کیا۔ گوکل کے قوی اور بہادر شیر فروشوں سے انتخاب کر کے ایک اتفاقیہ سپاہ بھرتی کی اور اپنی رعایا کو بہمہ وجوہ خوشحال بنایا۔ بغیر ان تدابیر کے کوئی فرمانروا ہر دلعزیز اور دشمنوں سے محفوظ نہیں ہو سکتا۔

اندرونی مخالفتوں اور آئے دن کے جھگڑوں کو سری کرشن نے طے کر دیا جن سے ملک میں تباہی اور بربادی پھیلی ہوئی تھی۔ ظالم حکمراں سزایاب ہوئے یا عدل و رحم کرنے پر مجبور کئے گئے یوں جس جگہ خونریزی اور تباہی نے مصیبت ڈال رکھی تھی وہاں امن آسائش کے جھنڈے گڑ گئے۔ یہ سب اصلاحیں سری کرشن نے خود اپنی جسمانی قوت سپہگری فنون سے یا اپنے پیدلوں اور سواروں کی رفاقت سے نہیں کیں انھوں نے اپنی رسا فہم اور اعلیٰ حکمت عملی ہی سے کام لیا اور اکثر اوقات بغیر کسی نبرد آزمائی کے سیدھی سادی تدبیر مُدن سے اُن کا مقصد حاصل ہو گیا۔

ہند کی رعایا نہایت خراب اور بد اطوار ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کو اپنے افعال قبیح کی صلاح کی پرواہ نہ رہی تھی اور یہی اُن کی بربادی کا بہت بڑا باعث تھا۔ افسوس نیک اور ایماندار آدمی کچھ جنگلوں میں پڑے پھرتے اور کچھ آبادیوں میں مصیبتیں جھیلتے تھے سری کرشن نے بیڑا اٹھایا کہ بدوں کو دنیا سے نکال کر اہل ہند کو آیندہ مصائب اور جور و تعدی سے بچائیں۔

ایک مرتبہ سری کرشن نے اپنی پیاری بیوی رُکمنی سے کہا "تم نے بڑے بڑے اولوالعزم مقتدر شاہان روئے زمین کی درخواستیں نامنظور کی تھیں مگر میرے ساتھ کیا سمجھ کر شادی کی۔ میں کسی سلطنت کا بادشاہ نہیں۔ دشمنوں کے خوف سے سمندر کے کنارے ایک شہر میں پڑا ہوں۔ میرا چال چلن سب سے نرالا، برتاؤ عوام الناس کے خلاف۔ کوئی شخص میرے مافی الضمیر سے آگاہ نہیں۔ مجھ جیسے آدمی کی بیویوں کو ہمیشہ مصیبت کا سامنا رہتا ہے۔ میں غریبوں اور فلک زدوں سے صحبت رکھتا ہوں اسی سے اُمرا کو مجھ سے ملنے میں عار ہے۔ مجھے نہ اپنے جسم کا خیال ہے نہ وطن کی پرواہ نہ بیوی بچوں کی محبت۔ نہ دولت کی تمنا اور عیش و عشرت کی خواہش ہے۔ میری طبیعت کے آدمی اپنے ہی بھروسہ پر قانع رہتے ہیں۔ یقیناً تم نے مجھ سے شادی کر کے بڑی غلطی کی۔"

اس مختصر تقریر سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ سرداران زمانہ پر سری کرشن کی فوقیت حاصل کرنے کا کیا سبب تھا۔

تواریخ یا قصص خیالی میں ایسے برگزیدہ شخص کا تذکرہ کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ سری کرشن سچے عاشق، پکے دنیادار، نامی ناظم ملک، قابل مدبر سلطنت، اکمل فلسفی۔ اور افضل رہنما تھے یہ ہندوستان میں ادنیٰ شیر فروش کے لڑکے سے اعلیٰ درجہ کے شخص ہو گئے۔ سارے حکمرانوں

کے حکم اِن تمام رہنماؤں کے رہنما اور سب فلسفیوں کے اُستاد بن گئے۔ مگر انھیں اس فضیلت و عظمت سے ذاتی وقار یا نمائش مقصود نہ تھی نہ یہ اوصاف ایسے وسائل سے حاصل ہوئے تھے۔ ایسا ہوتا تو بیشک نیک اور عقیل آدمیوں کی نظروں میں اُنکی اسقدر عظمت اور وقعت نہ ہوتی۔

اُن میں خودی اور خود نمائی بالکل نہ تھی نہ اُن کے کاموں میں خود غرضی پائی جاتی تھی۔ اُن کا اصل منشا یہی تھا کہ محبت، امن و خوشحالی اور مسرت کی ایک نئی دنیا پیدا کی جائے اس کی تکمیل کے واسطے اُنھیں طرح طرح کے کام کرنے اور نئے نئے روپ بھرنے پڑے اور یہ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں۔

جسوقت سری کرشن نے کوس لمن الملک بجایا ہندوستان مختلف سلطنتوں میں منقسم تھا۔ ان میں کورو۔ پانڈو۔ اور مگدھ[1] کی بادشاہتیں بہت طاقتور خیال کیجاتی تھیں۔ نابینا دھرتراشٹر کورو سلطنت کا بادشاہ تھا۔ اس کا چچا بھیشم پتا یا جس نے تمام عمر عالم تجرید میں زندگی بسر کرنے کا عہد کر لیا تھا اس خاندان کا سرپرست تھا۔ اسی طرح ملک پانچال[2] کا راجہ دروپد تھا۔ اور مگدہ کی سلطنت جراسندہ کے تحت میں تھی۔

شاہ دھرتراشٹر کے پانچ بھتیجے اور بہت سے بیٹے تھے۔ اس کے بیٹے بڑے شریر و سرکش تھے۔ انھوں نے اپنے چچیرے بھائیوں کے قتل کی سازش کی۔ یہ پانچوں بھائی بہ تبدیل لباس فرار ہوئے اور اس غرض سے ملکوں ملکوں پھرنے لگے کہ اگر کوئی زبردست بادشاہ اپنا معاون و مددگار ہو جائے تو دھرتراشٹر کے بدکردار لڑکوں سے اپنی املاک واگذاشت کرالیں۔ مفرور نہایت نیک خو اور فنون سپہ گری میں شہرۂ آفاق تھے۔

وہ سفر کرتے کرتے پانچال کی دارالسلطنت میں پہنچے۔ وہاں سُنا کہ راجہ اپنی لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ شرط یہ قرار پائی ہے کہ جو کوئی بہادر شہریار طلائی مچھلی کی آنکھ میں جو جر ثقیل کے قاعدے سے کستون پر نصب کیگئی ہے تیر لگائے گا اسی سے شہزادی کا عقد کر دیا جائے گا اس موسم بر میں تمام بادشاہ اور روسائے عظام مدعو کئے گئے۔ حسب رواج زمانہ سب فن تیر اندازی کے کرتب دکھانے کے لئے جمع ہوئے۔ یہ پانچوں بھائی بھی برہمنوں کے

---

[1] اگلے زمانہ میں ملک بہار کو کہتے تھے۔ مترجم۔

[2] زمانۂ گذشتہ میں ملحقات ضلع فرخ آباد کو کہتے تھے۔ مترجم

بھیس میں اس عام مجمع میں پہنچے۔ مچھلی کی آنکھ کا نشانہ اُڑانے میں سب ناکام رہے لیکن ارجن نے اُٹھ کر کامیابی حاصل کی۔ اس وقت سویمبر میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ کل ناکامیاب اور مایوس بہادر فتحمند ارجن پر حملہ کرنے کو جھپٹے۔ مگر وہاں سری کرشن بھی موجود تھے۔ سب ان کی بیحد قدر و منزلت کرتے تھے۔ اُنھوں نے کہہ دیا کہ برہمن نے واجبی طور سے شہزادی کو جیت لیا تو سب نے ہتھیار رکھ دیئے اور گھر کی راہ لی۔ یہ خفیف واقعہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ سری کرشن کو تمام ہندی فرمانرواؤں پر کامل فوقیت حاصل تھی۔

با ایں ہمہ سری کرشن نیکوں کی طرفداری اور کمزوروں کا جنبہ کرتے تھے۔ اس مجمع میں صرف یہی ایک ایسے شخص تھے جنھوں نے پانڈوں شہزادوں کو تبدیل لباس میں پہچان لیا تھا گو اُن کے مرنے کی جھوٹی خبریں ہندوستان میں مشہور ہو چکی تھیں۔ سری کرشن ان بنے ہوئے برہمنوں کے ساتھ اُن کے قیام گاہ پر گئے۔ اُنھیں اُن کی خوش نصیبی پر مبارکباد دی اور اُسی روز سے ان کے دوست بلکہ مشیر اور پیشوا ہو گئے۔ یہ سری کرشن ہی کا کام تھا کہ اُنھوں نے شاہ درو پد سے ان شہزادوں کی ملاقات کرائی اور شاہ مذکور کو مشورہ دیا کہ وہ دھرتراشٹر کے پاس ایک ایلچی بھیجکر اُس سے پانڈو کے حقوق عطا کرنے کی درخواست کرے۔ اس ایلچی کی واپسی تک سری کرشن اُنھیں کے پاس ٹھہرے رہے۔ قاصد نے آکر جلاوطنوں کو شاہ کورو کی طرف سے ان کی طلبی اور اندر پرست میں آباد ہونے کی اجازت دینے کا مژدہ سُنایا تو سری کرشن اُن کے ہمراہ گئے اور بڑے بڑے جنگلوں کے صاف کرنے اور نئی سلطنت کی بنا ڈالنے میں اُن کی امداد کی۔ جب پانڈو بآرام تمام اس نئی سلطنت پر مسلط ہو گئے۔ سری کرشن دوارکا کو واپس آئے۔

اپنی والدہ کی خواہش کے مطابق پانچوں پانڈو بھائیوں نے پانچال کی شہزادی سے شادی کر لی۔ آیندہ باہمی نفاق سے بچنے کا یہ انتظام کیا کہ جس وقت ایک بھائی شہزادی کے پاس ہو دوسرا اُس کے خلوت خانے میں نہ جائے اور جو اس قاعدہ کی پابندی نہ کرے وہ چند سال جلاوطن رہے۔

ایک دن ایک غریب برہمن ارجن کے پاس آکر نہایت درد انگیز لہجہ میں التجا کرنے لگا "اے حامی درماندگان! میرا مال و اسباب رہزنوں سے واپس دلا دیجئے"۔ اس وقت

سوئے اتفاق سے ارجن کے آلات حرب اُس کمرے میں رکھے تھے جہاں یدھشتر اور دروپدی باہم اختلاط میں مشغول تھے۔ مگر اس مصیبت زدہ برہمن کے حفظ مال کے لئے ارجن اس خوفناک جرم کا مرتکب ہوا جس کی سزا جلاوطنی تھی وہ اُس کمرے میں گیا اور اپنے ہتھیار لے کر غریب برہمن کی مدد کو فوراً روانہ ہوگیا۔

قزاقوں کی سرزنش کے بعد ارجن نے اپنے بھائیوں کے پاس آکر اپنی جلاوطنی کی درخواست کی۔ انھوں نے نہایت ملول اور دلگیر ہوکر اُسے خدا حافظ کہا۔ اور وہ اندرپرست کو الوداع کہکر جاترا کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

ارجن نے قریب قریب ہند کے کل ملکوں میں سفر کیا۔ آخر پرواسش دیس میں پہنچا یہاں اُس کے پیارے دوست متھرا اور دوارکا کے شاہزادہ سری کرشن اُس سے ملنے آئے اور اُسے اپنے دارالسلطنت میں لے گئے۔ دوارکا پہنچکر سری کرشن نے اپنی بہن شبھدرا سے اُس کا عقد کردیا اور یہاں عرصہ تک وہ اپنے دوست اور بیوی کے پاس آرام سے رہا۔

اثنائے سفر میں ارجن کو کیا کیا واقعات پیش آئے اور اُس نے بدکرداروں کی سزادہی اور نکوکاروں کی حمایت میں کیسی کیسی جنگی قابلیتیں دکھائیں یہ بیان کرنا فضول ہی ہے۔ بالجملہ وہ میعاد جلاوطنی کے بعد اندرپرست واپس آیا۔ اپنے بھائیوں سے ملا۔ سب ملکر نہایت خوش وخرم رہنے لگے اور حتی الامکان ہر آسان طریقہ سے کوروں کو خوش کرنے میں مصروف ہوئے۔

کوروں کے سب سے بڑے شہزادے درجودھن نے بھانمتی کے ساتھ شادی کرلی۔ اُس سے چند بچے پیدا ہوئے جن میں سے ایک لڑکی لچھمنا سری کرشن کے بیٹے پر عاشق ہوگئی بڑی دھوم دھام سے ان دونوں کا بیاہ ہوا۔ اس تقریب سعید میں چندربنسی خاندان کی دونوں شاخوں کے فریق نہایت گرمجوشی کے ساتھ شریک ہوئے۔

بموجب رسم زمانہ بھیم، ارجن، نکل، اور سہدیو قرب وجوار کی سلطنتیں فتح کرنے نکلے۔ بہت سے بادشاہوں کو مغلوب کیا۔ بہت سی ریاستوں سے خراج لیا۔ غرض بے انتہا زروجواہر اور مال ومتاع لیکر گھر کو پھرے تو راجہ یدھشٹر نے ان فتوحات کی شہرت دینے کے لئے راجسوئیگ[1] کرنے کا ارادہ کیا۔

---

[1] شہنشاہوں کا اظہار وفاداری کیلئے بڑا جلسہ جس میں ماتحت راجے فرماں پذیری اور اطاعت کے لئے جمع ہوتے تھے۔ مترجم

پانڈو شہزادے بغیر مشورت سری کرشن کے کوئی اہم کام نہ کرتے تھے۔ لہذا راجہ جدھشٹر نے ایک قاصد دوارکا کی طرف اس غرض سے روانہ کیا کہ فخر خاندان جادوں کو اندر پرست میں آنے کی تکلیف دے جب تک قاصد پہنچے پہنچے سری کرشن کی خدمت میں چند مقید شہزادوں کی طرف سے ایک درخواست اس مضمون کی پہنچی "ہم بدنصیبوں کو مگدھ کے بدکردار ظالم راجہ جراسندہ نے قید کر رکھا ہے۔ ہماری ریاستیں اپنی مملکت محروسہ میں شامل کر لی ہیں۔ ہمیں اس قید سخت سے رہائی دیجئے اور اس کتّے کی موت سے جو غضبناک راجہ نے ہمارے لئے تجویز کی ہی بچائیے"۔

اندر پرست[1] پہنچکر سری کرشن نے راجہ جدھشٹر کو راج سُو جگ کرنے کا مشورہ یوں دیا "اے شاہ۔ آپ جنگی طاقت اور تمام جہاندارانہ خوبیوں کی بدولت سب شاہوں کے مقابلہ میں شہنشاہ عالی مرتبت ہیں مگر چند ستم رسیدہ تاجور جراسندہ کے قید خانے میں پڑے سڑ رہے ہیں۔ اپنی رہائی سے مایوس ہو کر دائم الحبس قیدیوں کی طرح ناشاد و نامراد زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ جب تک جراسندہ زندہ ہے وہ اپنے ہتکھنڈوں سے باز نہ آئے گا۔ اور سرشوری کے ساتھ آپ کے جگ میں فتنے اور ہنگامے برپا کر کے خلل انداز ہوگا۔ اس لئے میری رائے میں پہلے اس سے نبٹ لیا جائے پھر جگ کی رسم ادا ہو"۔ اپنے دوست کی فرماں پذیری کے دلدادہ پانڈو بھائیوں نے راجہ مگدھ کی لڑائی کے لئے اپنی جرار فوج لے کر فوراً روانہ ہونے پر رضامندی ظاہر کی تو سری کرشن نے فرمایا "خونریزی ناحق کی کیا ضرورت ہے۔ بیچارے بے گناہ سپاہیوں نے کیا کیا ہے جو اُن کی جان لی جائے۔ ہاں جراسندہ کو اُس کی بدکرداری کی سزا دینی ضرور ہے۔ صرف ارجن اور بھیشم میرے ساتھ چلیں اور ہم تینوں جا کر اُس سے دست بدست اور کلہ بکلہ لڑنے کی درخواست کریں۔ مجھے یقین ہے کہ ہم میں سے جس کو وہ اپنا مد مقابل تجویز کریگا وہی اُس کی شورہ پشتی اور بداعمالی کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی ہوگا"۔ اس نصیحت پر عمل کیا گیا۔ اور تینوں شاہزادے دارالسلطنت مگدھ کی جانب روانہ ہوئے۔

وہ وہاں برہمنوں کے بھیس میں پہنچے۔ بڑے اعزاز و اکرام سے ان کا استقبال کیا گیا۔ سری کرشن نے راجہ سے اس طرح خطاب کیا "ہمیں برہمن نہ سمجھو۔ ہم چھتری ہیں۔ یہ بھیم ہے۔ یہ ارجن ہے۔ اور میں کرشن ہوں۔ ہم تم سے دست بدست مبارزت کرنے آئے ہیں۔ ہم میں سے کسی ایک کو منتخب کرلو

[1] شہر دہلی۔ مترجم

راجہ نے جواب دیا۔ "تمہارا یہی ارادہ ہے تو میں بھی چھتری ہوں۔ مجھے تمہاری درخواست منظور کرنے میں کسی طرح کا ہراس نہیں ہے۔ میں تمہاری نبرد آزمائی کی خواہش پوری کرونگا۔ مگر اس وقت تم میرے مہمان ہو میری مہمانداری قبول کرو۔ تھوڑی دیر راہ کی ماندگی دور کرنے کے لئے آرام کرلو" سری کرشن نے کہا۔ "اے شاہ جب تک ہمارا تمہارا فیصلہ نہ ہو جائے گا ہم تمہاری دعوت قبول نہ کریں گے"

راجہ نے جواب دیا۔ "تو خیر اپنی موت کے لئے طیار ہو جاؤ۔ سری کرشن جنگ آوروں میں تمہارا شمار ہی نہیں۔ تمہارے قول وفعل کا اعتبار ہی نہیں۔ تمہارے ساتھ لڑوں تو دنیا کے لوگ تھو تھو کرینگے ارجن ابھی لونڈا ہے اس کا میرا جوڑ ٹھیک نہیں۔ ہاں بھیشم میں کسی قدر بل بوتہ معلوم ہوتا ہے وہ چند لمحہ میری مقاومت کی تاب لاسکے گا اُس سے کہدو کہ مرنے کے لئے تیار ہو جائے"

اہل شہر کے روبرو یہ دونوں حریف مثل دو مست ہاتھیوں کے لڑے اور آخر الامر جراسندہ مارا گیا۔ سری کرشن نے مقید راجوں کو رہائی دیکر راجہ جدہشٹر کے راج سُو جگ میں آنے کے لئے مدعو کیا۔ بعدہ جراسندہ کے بیٹے کو تخت نشین کر کے اندر پرست واپس آئے۔

اب متبرک جگ کی تیاریاں کی گئیں۔ تمام تاجداران عالی وقار ومقتدران روزگار اپنے خدم و حشم کے ساتھ اظہار اطاعت کے لئے پانڈو شہزادوں کی خدمت میں حاضر ہوئے بڑی شان و شوکت اور خرمی و احتشام سے جشن اور جلسے مرتب کئے گئے اس تقریب کی طمطراق اور عظمت کے بیان میں کُل مورخین رطب اللسان ہیں۔ ہر ایک پانڈے شہزادے اور اُن کے احبا و اقربا کو علیٰ قدر مراتب جگ کا ایک ایک کام سپرد کیا گیا تھا۔ علمائے دین اور متبرک برہمنوں کے استقبال کی خدمت سری کرشن نے اپنے ذمے لی۔ وہ باعزاز تمام اُن کا استقبال کرتے۔ اپنے ہاتھوں سے اُن کے پاؤں دھوتے اور جگ کے بڑے کمرے میں لے جاتے۔ معزز ناظرین۔ دیکھئے زمانہ کا سب سے برتر اور برگزیدہ رہنما جگ کے نہایت ذلیل مگر قابل تعریف کاموں میں یوں مصروف تھا۔

اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ حضار جلسہ میں جو سب سے بڑا اور معزز شخص ہوتا اُس کو تقریب کے اختتام پر اظہار اعزاز کے لئے پہلا ارگھ[1] دیا جاتا تھا۔ بھیشم نے تجویز کیا کہ پہلا ارگھ سری کرشن کو دیا جائے

[1] سنسکرت کے زمانہ میں دستور تھا کہ معزز و مقدس شخصوں کے سامنے ٹونٹی دار لوٹے سے پانی ڈالکر اظہار اعزاز کرتے تھے اس رسم کو ارگھ کہتے ہیں۔ مترجم

اس وقت بے شبہ کل حاضرین مجلس میں یہی سب سے اعلیٰ اور برتر تھے۔ اس تجویز کو سنکر راجہ سپال کے دماغ میں بجلی سی کوندگئی وہ غصہ کو ضبط نہ کر سکا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا "سری کرشن کو ارگ لینے کا کیا حق ہے؟ نہ وہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ جنگ جو۔ نہ علامۂ دین۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ عمر کے لحاظ سے بزرگ ہے تو یہاں اس کا باپ واسدیو موجود ہے۔ اگر وہ خلق دوست سمجھا جائے تو شاہ درو پد سے زیادہ کسی صورت میں عوام کے ساتھ ہمدردی کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ تم اسے اپنا گرو سمجھ کر عظمت کرتے ہو۔ تو یہاں اعلیٰ درجہ کا گرو درونا بیٹھا ہے۔ سری کرشن ایک ملحد مرتد شخص ہے۔ اسکا کوئی مذہب نہیں ہے نہ اسکی قوم کا پتہ ہے اور نہ وہ کسی اصول کا پابند ہے وہ دنیا میں ہر قسم کے فسق و فجور اور منہیات کا مرتکب ہوا ہے۔ کیا تم نے اس جلسہ میں یوں ہماری آبرو ریزی کرنیکے لئے ہمیں مدعو کیا ہے؟ کیا معزز مہمانوں کے ساتھ یونہی پیش آتے ہیں؟" پھر اس نے سری کرشن کی جانب رُخ کر کے کہنا شروع کیا "تم کیسے سادہ لوح اور کم اوقات ہو۔ یہ لوگ تمہارا مذاق اڑاتے ہیں اور تم ٹس سے مس نہیں ہوتے اور انکو ایسی مزخرف اور ناپسندیدہ حرکتوں سے باز نہیں رکھتے" پھر اس نے حضار جلسہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا "معزز راجگان جہاں ایسے ذلیل اور حقیر آدمیوں کی اسقدر عزت و حرمت کیجاتی ہے وہاں سپال اپنی موجودگی کسر شان سمجھتا ہے۔ اس تقریر کے بعد وہ آگ بگولا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ مجمع کو چھوڑ کر چلے جانے کا قصد کیا۔ اور اکثر حاضرین نے اس کی پیروی کی۔

اس وقت جلسہ میں بڑی ہل چل پڑ گئی۔ سب سے چھوٹے پانڈو شہزادے نے اپنی جگہ سے اٹھکر للکار کر کہا "جو شخص سری کرشن کی عبودیت سے منحرف ہو گا میں اس کا سر اپنے پاؤں تلے پیس ڈالوں گا" بس اب تاب کہاں تھی غصہ کے مارے سپال کے مونھ سے کف جاری ہو گیا فرط طیش سے گرجنے لگا اور سری کرشن پر مغلظ گالیوں کا مینھ برسا دیا۔ مگر وہ ضبط کئے دم بخود کھڑے رہے اور اس کی طفلانہ حرکات اور طعن و تشنیع پر مسکراتے رہے۔

بزرگ منش بھیشم اور جوان شورہ پشت راجہ سپال میں خوب بحث و تکرار اور دیر تک رد و بدل ہوتی رہی۔ قریب تھا کہ ایک دوسرے سے دست بگریبان ہو جائیں بالآخر بھیشم نے اٹھکر کہا "ہم سب سری کرشن کی بندگی اور پرستش کرینگے۔ جو کوئی اس کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکالے گا میں ابھی اس کا سر اپنے پاؤں سے کچل ڈالوں گا۔ یہاں کوئی شخص اپنے آپ کو سری کرشن سے افضل سمجھتا ہے تو وہ ان سے مجادلہ کی درخواست کیوں نہیں کرتا۔

سسپال نے سری کرشن کی طرف جنھوں نے ابھی تک کوئی لفظ بھی زبان سے نہ کہا تھا پلٹ کر نہایت نا ملائم الفاظ کہکر اس طرح مبازرت کی درخواست کی "تم بزدلے نہ ہوگے تو میرے ساتھ ضرور لڑوگے" اب سب کی آنکھیں سری کرشن کی طرف لگ گئیں انھوں نے نہایت استقلال کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھکر کہا "میں تجھے ایک مرتبہ سے زیادہ معاف کرچکا ہوں۔ میرا خیال تھا تو کجروی چھوڑکر راہ راست پر آجائیگا مگر تو نے اس کے خلاف مجھ سے لڑنے کی درخواست کی۔ پس میں چھتری ہوکر اُسے نامنظور نہیں کرسکتا لے اب موت کے لئے تیار ہوجا۔ تیرا پیمانہ حیات لبریز ہوچکا ہے۔ یہ کہکر مغرور راجہ سسپال پر حملہ کیا اور چشم زدن میں اُس کا سر تن سے جدا کردیا اس قلع قمع ہو جانے سے تمام سرکش تاجداروں کو عبرت ہوگئی۔ پھر کوئی بھی جنگ کی کارروائی میں مخل ہونے کی جرات نہ کرسکا۔ بڑی شان وشوکت سے جگ کا انجام ہوا اب مہمان خوش خوش رخصت ہوئے۔ کورو شہزادے اپنے چچیرے بھائیوں کی اس کامیابی کو دیکھکر حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ لہذا اُنھوں نے ان کے زوال کے لئے منصوبے گانٹھے اور اسمیں کامیاب ہوئے۔

خفیہ طور سے مجلس شوریٰ منعقد کی گئی جس میں کوروں کے چچا سکنی نے یہ مشورہ دیا کہ جدہشٹر کو چوسر کھیلنے کے لئے بلانا چاہئے۔ وہ چھتری ہے جنگ یا قمار بازی کی درخواست کبھی نامنظور نہیں کرسکتا۔ میں چوسر کی بازی میں اُس کا سب مال ومتاع جیت لونگا اور اس ترکیب سے اُسے اور اُس کے بھائیوں کو دنیا میں سخت ذلیل کرونگا۔

یہ بد صلاح سب کو پسند آئی۔ جدہشٹر کو چوسر کھیلنے کے لئے بلا بھیجا اور نہایت بد قسمت کھیل شروع ہوا۔ قمار بازی کے اس بڑے جلسہ میں پانڈو اور کورو باہم حریف بنے۔

افسوس حرماں نصیب جدہشٹر کی قسمت نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ وہ ہارنے لگا اور رفتہ رفتہ اپنی کل دولت ہاردی۔ کیا املاک کیا جائداد۔ کیا خیمہ کیا خرگاہ کیا زروجواہر غرض کچھ بھی نہ بچا پانسے کے یہ ڈھنگ دیکھتے ہی چھکے چھوٹ گئے۔ ہائے جب اُس کے پاس کوئی اور چیز لگانے کو نہ رہی تو اُس نے اپنے چھوٹے بھائی کو داؤں پر لگادیا اور اُسے بھی ہار گیا۔ اسی طرح ایک ایک کرکے سب بھائی ہاردئے ! بالآخر اپنے آپ کو داؤں پر لگایا اور بن داموں کا غلام بن گیا۔ اب اس نے پہلے اپنا سر اٹھاکر آسمان کی طرف دیکھا۔ پھر مجمع میں چاروں طرف نظر دوڑائی کہ

اور اپنی پیشانی سے پسینہ کے گرم گرم قطرے پونچھنے لگا۔ اس وقت حقارت آمیز تمسخر کے ساتھ سکنی نے کہا "جدہشٹر اب کی بار اپنی جورو درو پدی کو داؤں پر لگادو۔ وہ بڑی خوش نصیب ہے تم ضرور جیتوگے۔" اُس نے ایسا ہی کیا اور خاموشی کے ساتھ پھر کھیلنے لگا۔ مگر افسوس یہاں بھی تقدیر نے دھوکا دیا یعنی وہ اپنی پیاری بیوی سے بھی ہات دھو بیٹھا۔

کوروں کی باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ وہ بار بار اپنی کامیابی پر خوش ہوتے اور جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ اُن کے دل کا کنول کھل رہا تھا اور کلیجہ بانسوں اچھلتا تھا۔

مگر یہ خوشی دیر تک نہ رہی۔ نیک مرد بدر نے عین کریال میں غلہ مارا اور کوروں کا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ وہ پہلے بھیشم سے ملا پھر نابینا شاہ دھرتراشٹر کے پاس گیا اور اُس سے اُس کے بدذات بیٹوں کے کرتوتوں کی کیفیت ہو بہو کہی اُس نے بالحاح التجا کی کہ پانڈو کو کوروں کے قہر و غضب سے پناہ دیجئے اور چندربنسی خاندان کو شخصی بربادی اور باہمی نفاق سے بچائیے۔ شاہ مذکور نے پانڈو کو اپنے روبرو طلب کر کے غلامی دوام سے آزاد کیا اور از سر نو نئی معاش پیدا کرنیکی اجازت دی۔

درجودھن کی امیدوں کا خون ہو گیا۔ اپنے باپ کے حکم کے خلاف وہ پانڈو کو چلے جانے سے منع نہ کر سکا۔ اس بات کو وہ خوب جانتا تھا کہ جدید ممالک کا فتح کرنا اور بیشمار مال و دولت جمع کرنا پانڈو کے بائیں ہات کا کرتب ہے لہذا اُس نے اپنے چچا سکنی سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ ہماری عز و جاہ کا رستہ ان کانٹوں سے اب کیونکر صاف ہو سکتا ہے۔

سکنی نے کہا اُنھیں چوسر کھیلنے کے لئے پھر بلانا چاہئے۔ اب کی بار داؤں اس شرط سے لگایا جائے کہ وہ ہار جائینگے تو انھیں جلاوطنی میں بارہ برس تک جنگل کی خاک چھاننی پڑیگی۔ اس مدت میں انھیں کسی ایسے بھیس میں رہنا ہوگا کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ اگر اس میعاد میں وہ پہچان لئے جائینگے تو انھیں پھر بارہ سال تک جلاوطن رہنا پڑیگا۔ اسی طرح آئندہ جس وقت پہچانے جائیں گے اُسی وقت سے غریب الوطنی کی وہی میعاد از سر نو شروع ہو جائیگی ہم انھیں ہر مرتبہ پہچان لیا کریں گے اور یوں ہمیں یقین کامل ہے کہ کبھی ان کو اپنے وطن مالوف کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوگی۔ درجودھن نے کہا فرض کرو جدہشٹر جوا کھیلنے یا جلاوطنی اختیار کرنے سے قطعی انکار کر دے۔ سکنی نے جواب دیا "اُنھ تم جدہشٹر کو نہیں جانتے۔ وہ بڑی آن بان کا آدمی ہے۔ وہ ہرگز انکار نہ کریگا۔"

دوسرے روز صبح کو جدہشٹر سے قمار بازی کی پھر درخواست کی گئی۔ اُس کے بھائیوں نے بڑی منتوں سے اُسے نامنظور کرنے کے لئے اصرار کیا تو جدہشٹر نے جواب دیا "کیا تم چاہتے ہو کہ میں چھتریوں کے پاک فرائض ادا کرنے میں قاصر رہوں؟ خدا تعالے نے ہمیں مصیبتیں اُٹھانے کے لئے پیدا کیا ہے پس ہم کو نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اُسکی مرضی پر شاکر رہنا چاہیئے"۔

بدنصیب بازی پھر شروع ہوئی اور جدہشٹر پھر ہارا۔ ایمانداری اور سچائی کے دلدادہ پانڈوؤں نے بارہ برس کی جلاوطنی کے لئے اندرپرست کو خیرباد کہا۔ ان کی وفادار پیاری بیوی دروپدی نے دُکھ درد میں اپنے خاوند کا ساتھ دینے کے لئے اُن کے ہمراہ جانا پسند کیا۔ القصہ وہ سب بدقسمت جلاوطن اہل شہر کو گریہ وزاری میں مبتلا چھوڑ کر جنگل کو سدھارے۔

ان جانکاہ حادثوں کی سری کرشن کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ اسی زمانہ میں ایک قریب کے بادشاہ نے شہر دوارکا کا محاصرہ کیا اور سری کرشن کو مجبوراً اُس کی سرکوبی اور رفع داد کے لئے بہت دنوں تک ایک جنگ عظیم کرنی پڑی۔ جب اس نا عاقبت اندیش کی سزادہی کے بعد وہ اپنے دارالسلطنت کو واپس آئے تب اُنھیں اپنے پانڈو دوستوں کی افتاد کا حال معلوم ہوا۔ وہ فوراً جنگل میں پانڈوؤں کے قیام گاہ پر اُن سے ملنے گئے اور اُن کی واژوں طالعی پر بہت تاسف کیا۔ ان کے جھونپڑے پر کچھ دنوں تک اُن کے پاس رہکر اپنے شہر کو واپس آئے اور چلتے چلتے وعدہ کر آئے کہ جہاں تک جلد ممکن ہوگا پھر ملیں گے۔

پانڈو شہزادوں نے اپنی جلاوطنی کا آخر زمانہ ملک بیراٹ میں گزارا۔ مگر بہت جلد اُن کا راز افشا ہو گیا اور راجہ نے انھیں پہچان لیا۔

خدا کی مشیت کون جانتا تھا کہ ان غریب الوطنوں کو اس دشت نوردی میں بھی شاہانہ عیش و عشرت حاصل ہوگی اور اس بے سروسامانی اور سقیم الحالی میں اُن کے اقبال کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ جائیگا۔ راجہ بیراٹ نے بڑے اعزاز و اکرام سے انھیں اپنے تخت پر بٹھایا اور ارجن کے بیٹے ابھمانو کے ساتھ جو سبھدرا کے بطن سے تھا اپنی بیٹی اتیارا کی شادی کر دی۔

یہ خبریں کورو دارالسلطنت میں بھی بہت جلد پہنچ گئیں۔ نابینا شاہ دھرترا شٹر فخر خاندان بھیشم اعلیٰ ادیب درونا۔ اور راستباز بندر سب نے مل جل کر کوششیں کیں کہ درجودھن کو پانڈو کے ساتھ دوستانہ

برتاؤ کرنے کے لئے راغب کریں مگر اُس دُرجودھن کے کھیمے نے اپنے افتراپرداز چچا سکنی اور بوالہوس دوست کرن کی نیش زنی کے باعث ان سب کی نیک صلاحوں کیطرف سے کان بہرے کر لئے۔

پانڈوں نے حتی المقدور کوشش کی کہ قتل و خونریزی نہ ہو۔ سری کرشن بھی ہمیشہ مصالحت ہی کو پسند کرتے تھے۔ بے وجہ کشت و خون کے سخت مخالف تھے اس لئے اُنھوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ درجودھن کے پاس جاکر اپنے چچیرے بھائیوں کے ساتھ مراعات کرنے کی ترغیب دلائیں اور بہ حسن سلوک پیش آنے کی ہدایت کریں۔

جن جن دیہات میں ہوکر سری کرشن گزرے وہاں بڑی بڑی آرائشیں کی گئیں پھوس کے چھپر اور کچے مکانات اس عمدگی سے سجائے گئے کہ شہر کی عمارتوں کی صفائی ماند ہوگئی۔ روشنی سے ہر کوچہ و برزن منور ہوگیا۔ ہر طرف دوالی کے چراغاں کا لطف نظر آتا تھا۔ جہاں سری کرشن نے قدم رکھا خرابے چمن زار بن گئے۔ دشت و بیاباں سنبلستاں کی بہار دکھانے لگے۔ کیا بڈھے کیا جوان کیا مرد اور کیا عورت سر مقام پر سب سری کرشن کی زیارت کو آتے۔ پاؤں چھوتے اور لباس مقدس کو چومتے۔ غرض اُن کی تشریف آوری سے ہر شخص شاداں و فرحاں تھا۔ جب بزرگ منش راجہ دھرتراشٹر نے سُنا کہ سری کرشن اُس کے دارالسلطنت کی طرف آتے ہیں تو اُس نے خیر مقدم کی خوشی میں اعلیٰ درجہ کی تیاریاں کیں۔ شہر پھول پتی سے آراستہ کیا گیا۔ پری پیکروں کی جلوہ نمائی سے ہر گلی کوچہ میں بہار آگئی۔ شاہی جلوس کے کروفر سے گزرگاہوں میں رونق تازہ ہوگئی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر گویوں اور ارباب نشاط کی چوکیاں بٹھادی گئیں۔ امرائے دولت اور اعیان سلطنت جمع کئے گئے۔ شہزادے پیشوائی کے لئے بھیجے گئے اور سری کرشن بڑی آن بان سے شہر میں داخل ہوئے۔ دوست دشمن سب یکساں اُن کی خدمت گزاری کرتے بلکہ عوام انھیں اپنا زندہ خدا جانتے تھے۔ تاریخ دنیا میں ہم ایسا کوئی شخص نہیں پاتے جس کی اتنی عظمت اور پرستش کی گئی ہو۔ مگر ان کو اس سفارت میں کامیابی نہیں ہوئی۔

انھوں نے بڑی منت سے کہا "درجودھن ان پانچوں بھائیوں کو اپنی وسیع سلطنت سے صرف پانچ ہی گاؤں دے ڈالو۔ جو کچھ تھوڑا بہت تم انھیں دوگے وہ اُسی پر قناعت کریں گے" درجودھن نے کہا "نہیں یہ ہرگز نہ ہوگا۔ جب تک چھتریوں کے اسلحہ کے جوہر نہ کھلیں گے اور

میدان کارزار میں خون کی ندیاں نہ بہیں گی ایک انگل زمین بھی نہ دیجائیگی۔
الغرض ہردو جانب جنگ ٹھن گئی۔ مناقشات اور مشاجرات شروع ہوگئے۔ دونوں فریق معرکہ آرائی کی تیاریوں میں مصروف و منہمک ہوئے اور اپنے اپنے طرفدار بادشاہوں اور دوست شہزادوں کو شرکت جنگ کے لئے بلا بھیجا۔ بے اندازہ سامان حرب مہیا کیا گیا اور ملک کے ہر حصّہ سے سپاہ فراہم کی گئی۔

اس زمانہ میں سری کرشن سب سے بڑے آدمی تھے۔ ہر فریق اُن کی معاونت کا آرزومند تھا مگر وہ دونوں حریفوں کو یکساں عزیز رکھتے تھے۔ جب اُن سے اس امر کی استدعا کی گئی تو انھوں نے کہا کہ میں دونوں میں سے کسی کے خلاف نبرد آزمائی نہ کرونگا مگر ہاں جو میرے پاس پہلے آئیگا اُس کے ہمراہ میدان جنگ میں موجود رہونگا۔ درجودھن نے دوارکا پہنچنے میں بڑی عجلت کی اور جس وقت سری کرشن کی ملاقات کو گیا تو انھیں خواب میں پایا۔ وہاں ایک سونے کا مرصع تخت اُن کے سرہانے بچھا تھا وہ اُس پر بیٹھکر اُن کے بیدار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ارجن بھی جا پہنچا اور ان کے پائنتی بیٹھ گیا۔ سری کرشن نے آنکھیں کھولیں تو اُن کی نظر پہلے ارجن پر پڑی اور دریافت کیا "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو" ارجن نے کہا۔ "پیارے دوست میں تم سے ایک چیز مانگنے آیا ہوں۔" سری کرشن نے جواب دیا۔ "میں تمہیں کیا دے سکتا ہوں اور یوں تو میں ہمیشہ تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہوں۔" ارجن نے کہا "مجھے اور کچھ درکار نہیں ہے میں بنفس نفیس آپ ہی کو مانگتا ہوں۔" سری کرشن نے مسکرا کر جواب دیا۔ "پیارے دوست تم نے سنا ہوگا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ میں اس لڑائی میں کسی کے خلاف ہتھیار نہ اٹھاؤں گا۔ پھر میں تمہارے کس کام کا ہوں اور مجھ سے تمہیں کیا امداد مل سکتی ہے۔ ارجن نے کہا "یہ تو مجھے پورے طور سے یقین ہے کہ اس جنگ میں نصرت و فیروزی کا سہرا میرے ہی سر رہیگا۔ اور میری شمشیر خارا شگاف دشمن کے حق میں بلائے بیدرماں ہو جائیگی۔ مگر جب تک میرے دوست میری فتحیابی کی خوشی میں شریک نہ ہونگے مجھے راحت نہ ہوگی۔" سری کرشن نے فرمایا "اچھا بہتر میں تمہاری رتھ بانی کروں گا۔"

اس کے بعد سری کرشن نے سر اُٹھا کر درجودھن کو دیکھا اور کہا "پیارے بھائی جو کچھ گفتگو

اس وقت ہوئی وہ تم نے سن ہی لی تاہم میں تمہاری خدمت کو حاضر ہوں ۔ اب بتاؤ تم مجھے لینا پسند کرتے ہو یا میری فوج کو؟" درجودھن سوچا کہ جب یہ لڑنے سے انکار ہی کرتے ہیں تو انھیں لینا بے فائدہ ہے ۔ ہاں اُن کی فوج کو مانگ لینا بیشک کسی قدر سودمند ہوگا لہٰذا اُس نے جلدی سے کہا "اگر آپ مجھے اپنی فوج دیدیں گے تو میں آپ کا ازحد شکرگزار ہونگا" سری کرشن نے اُسے فوراً منظور کرلیا اور درجودھن ان کی جرار فوج لیکر ہستنا پور واپس آیا ۔ پھر ارجن سری کرشن کو ساتھ لیکر دوارکا سے روانہ ہوا ۔

جب سب تیاریاں ہو چکیں ۔ جملہ سامان حرب فراہم ہو چکا ۔ جدھشٹر نے اپنی فوج ظفر موج کا کوچ بول دیا ۔ اور کورک ښیتر کے میدان میں آکر خیمہ زن ہوا اُدھر درجودھن اپنی حیرت انگیز سپاہ لیکر معرکہ آرائی کے لئے ہستنا پور سے روانہ ہوا ۔

ہر طرف لاکھوں کروڑوں سپاہ کا دَل بادل امنڈ پڑا ۔ بڑے بڑے آزمودہ کار سپہ سالار اور شجاعان ذی اختیار اس جنگ عظیم میں آکر شریک ہوئے ۔ بھائی بھائیوں اور دوست دوستوں کی لڑائی تھی ۔ ایک طرف فخر اکابران دیار بھیشم ۔ سرآمد قابلان روزگار درونا سرگروہ شجاعان زمانہ کرن ۔ شاہ نابینا کے ایک سو فرزند اور بیشمار نبیرے بڑے بڑے طاقتور تاجداران ہند کے افسر بنے ۔ دوسری طرف پانچوں پانڈو شہزادے ان کے فرزند ابھمانو ۔ گھٹوٹ کچھ اُن کے دوست شاہ دروپد شاہ بیراٹ ۔ اور ہند کے چند اور معزز راجگان جوان سے نسلی واسطہ یا نسبتی تعلق رکھتے تھے صف آرا ہوئے ۔ ان سب کے سرتاج سری کرشن انکے ہادی مشیر اور پیشوا تھے ۔

بھیشم قول کرچکا تھا کہ نابینا بادشاہ کے لڑکوں کو کبھی تنہا نہ چھوڑیگا اور ہر حال میں ان کا رفیق بنا رہیگا ۔ اسی وجہ سے بحال جبر واکراہ اُسے دس روز کے لئے کورو افواج کی سپہ سالاری قبول کرنی پڑی ۔ اُس کی فوجی کارنمائیوں اور جنگی قابلیتوں کے بیان کرنے کی کوشش کرنا محض فضول ہے کیونکہ نبرد آزمائی اور تدابیر جنگی میں کوئی اس سے بہتر تھا ہی نہیں ۔ جب ہنگامۂ جدال و قتال گرم ہوا اور دونوں جانب سے دلیران جانباز سرفروشی کرنے لگے تو اس نے شجاعت کے ایسے جوہر دکھلائے اور اسقدر قتل و خونریزی کی کہ پانڈوں کی تقریباً نصف فوج کھیت رہی ۔

یہ بھیشم ہی کا دل گردہ تھا کہ اُس نے سری کرشن جیسے مستقل مزاج شخص کو عہد شکنی کرنے کے لئے

مجبور کر دیا وہ قریب قریب کل پانڈو فوج کو تہ تیغ کر چکا تب ہی بے مثل بہادر ارجن نے اپنے جری اور جنگجو حریف سے ہتھیار نہ لیا۔ گو ہر طرح سے وہ بخوبی اُس کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس وقت سری کرشن نے ارجن کی منتیں کیں۔ پھسلایا ڈرایا دھمکایا اور مختلف طریقوں سے بھیشم پر وار کرنے کی ترغیبیں دیں مگر افسوس ساری خوشامد اور تخویف بیکار گئی۔ قصہ کوتاہ جب پانڈو فوج کے بچانے کی کوئی اور صورت نہ رہی تو سریکرشن ارجن کے رتھ سے کود پڑے اور ایک ٹوٹا ہوا پہیہ اٹھا کر بھیشم کی طرف دوڑے۔

بھیشم نے دیکھا کہ سری کرشن میرے مارنے کے لئے آتے ہیں تو اُس نے فوراً اپنے ہتھیار پھینک دیئے اور ہات جوڑ کر مناجات کرنے لگا "اے خدا کے اوتار اب مجھے معلوم ہوا تجھے اپنے سچے پرستش کرنے والوں سے کس قدر محبت ہی۔ تو نے ان دونوں فوجوں کے روبرو صرف اس غرض سے اپنا عہد صلح توڑا ہے کہ تیرا پیارا معتقد ارجن اپنا قول پورا کرے۔ میں نے عہد کیا تھا کہ تجھ سے اس جنگ میں ہتھیار اٹھوا کر مانونگا چنانچہ میں کامیاب ہوا۔ اخاہ میں کس قدر خوش نصیب ہوں! اے کرشن میں حاضر ہوں مجھے مار ڈال۔ میں تجھ پر اپنی جان کو قربان کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کیا مناجات کروں"! لیکن اس وقت ارجن آن پہنچا اُس نے اپنے ہات سریکرشن کی کمر میں ڈال دیئے اور اُن کو آگے بڑہنے سے مانع ہوا اس نے بھیشم کے قتل کرنے کا وعدہ کیا اور سری کرشن تبسم کرتے ہوئے رتھ پر آ بیٹھے۔

مگر بھیشم جیسے شجاع اور یگانۂ زمانہ کا مار ڈالنا کچھ آسان نہ تھا۔ اس لئے پانڈوں نے اس پر غالب آنے کی تدابیر سوچنے کے لئے ایک جنگی مجلس شوریٰ منعقد کی۔ سریکرشن نے کہا جب تک بھیشم کے جسم پر ہتھیار رہیں گے دنیا میں کوئی شخص اُس کو شکست نہیں دیسکتا۔ جنگ میں فتح حاصل کرنا تمہارا فرض خاص ہے اس کے لئے جن ذریعوں اور وسیلوں سے ممکن ہو سکے کوشش کرنی ضرور ہی۔ اس میں کسی بات کے جا اور بیجا ہونے کا مطلق خیال نہ کرنا چاہئے۔ پس میری رائے میں اے ارجن کل تم سکھنڈی کو اپنے ساتھ لیجاؤ اس کو دیکھتے ہی بھیشم اپنے ہتھیار پھینک دیگا تم کو خاصہ موقع ملجائیگا۔ چاہو اُس کو مغلوب کرو چاہو قتل کرو اور یوں پانڈو کے لشکر کو گشت و خون سے بچا لو"۔

دوسرے روز سری کرشن کی مصلحت آمیز نصیحت پر عمل کیا گیا۔ خدا کو منظور تھا تو یہ حکمت عملی چل گئی بھیشم سکھنڈی کو ارجن کے رتھ پر بیٹھا دیکھکر مسکرایا اور اپنے ہتھیار کمر سے کھول کر رکھدیئے۔ ارجن نے

فوراً ایک زخم کاری لگایا اور وہ مجروح ہو کر اپنے رتھ پر سے گر پڑا۔ اس وقت دونوں کورو اور پانڈو دل حریفوں کے سرغنے اپنے زخم خوردہ سرپرست کی طرف دوڑے اور اس کے لئے زار و قطار رونے لگے کیونکہ یہ سب اپنے باپ سے بھی زیادہ اس کی عزت کرتے تھے۔

اب کورو لشکر کی درونا جنگ کرنے کے لئے میدان کارزار میں آئے۔ درونا نے اپنی فوج کی صفیں ایسے حیرت انگیز طریقہ سے جمائیں کہ پانڈو کو اس منحوس قطار کا توڑنا یا اس کے اندر داخل ہونا بہت دشوار معلوم ہوتا۔ مگر جوانمرد ابھمانو بڑی جرأت کے ساتھ دھاوا کر کے اس نصف دائرہ میں گھس پڑا اور ہزاروں دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ اُس وقت کوروں نے بڑی پھرتی کے ساتھ اس کو نرغہ میں کر لیا اور سات بڑے بڑے نبرد آزما درونا کرن وغیرہ وحشیانہ جوش و خروش سے شور و غل کرتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑے۔ پھر کیا تھا بیچارہ بہت جلد مغلوب ہو کر مارا گیا۔ بھیم نوجوان شجاع کی مدد کو دوڑا مگر جب تک یہ اُس تک پہنچے پہنچے وہ زخم کاری کھا کر اپنے رتھ سے گر چکا تھا۔ اس رنج و غم نے بھیم کو پہلے سے دہ چند خشمگیں بنا دیا اور وہ بدلہ لینے پر تل گیا۔ اس نے اپنے بدذات چچازاد بھائیوں میں سے تیس کی جانیں قفس عنصری سے رہا کیں اور ایک ہزار دشمنوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔

میدان مصاف کے دوسرے حصہ میں راجہ دروپد قتل ہوا اور کرن نے گھٹوت کچھ کو مارا۔ یوں پانڈو فوج کو ہر طرف شکست ہوئی۔ معرکہ آرائی اور نبرد آزمائی کے حوصلے پست ہو گئے۔ کوروں کی تلوار کی وہ دھاک بندھی کہ درونا کی لڑائی میں ارجن نے زخم کاری کھایا اور اُسے رتھ پر غش آگیا۔ سری کرشن نے یہ کیفیت دیکھی تو پکار کر کہا:- "او درونا تیرا فرزند اسوتھاما مارا گیا"! مگر اس کی اصلیت صرف اتنی ہی تھی کہ ایک جنگی ہاتھی اسوتھاما کو جو درونا کے بیٹے کا ہمنام تھا بھیم نے مارا تھا سری کرشن سے اپنے پیارے بیٹے کے مرنے کی خبر سُنکر یہ مسن بہادر رنج کے مارے ہکا بکا ہو گیا مگر اُس نے کہا مجھے اس بات کا یقین نہیں آتا اگر جدھشٹر کہدے تو میں باور کر لوں میں جانتا ہوں وہ راست گو ہے ہرگز جھوٹ نہ بولے گا۔

سری کرشن جدھشٹر کو دم دلاسے دیکر درونا کے پاس اپنی شہادت کے لئے لائے مگر اُس نے ایسی دروغ گوئی سے قطعی انکار کیا۔ آخرش سری کرشن نے جدھشٹر کو صرف اتنا فقرہ کہنے پر رضامند کیا

ودّ اسھوتھاما (ہاتھی) مارا گیا'' جونہیں جدھشٹر کی زبان سے لفظ ''ہاتھی'' نکلا انھوں نے فوراً اپنا ناقوس پھونکا اور اُس کی گونج جانے والی آواز سے وہ لفظ درونا کے کان تک نہ پہنچا۔ درونا بیٹے کا مارا جانا سنتے ہی غش کھا کر گر پڑا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھکر پانڈو کی طرف کا ایک بہادر فوراً جست کرکے رتھ پر جا پہنچا اور درونا کا سر کاٹ لیا۔

اگلے دن کورو کرن کی ماتحتی میں رزمگاہ میں آئے۔ اس روز صبح سے شام تک بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ دونوں طرف سے قدر اندازوں نے اس قدر تیر برسائے کہ ساون بھادوں کی جھڑی کا مزا آگیا۔ قدر اندازوں نے تیروں کی بھرمار کی تو آن کی آن میں پرے کے پرے صاف ہو گئے۔ فوجی لوگوں کے ہجوم میں ایسا شور و غل برپا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اور زخمیوں، جاں بلب سپاہیوں کی گریہ وزاری سے عرصہ کارزار قیامت کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ غرض اس قدر قتل و خونریزی ہوئی کہ ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں اور کورک شیتر کا میدان لالہ زار بن گیا۔ بھیم نے اپنے چچا زاد بھائی دھوساسن نیز اور بدذات کور و شہزادوں کو قتل کر ڈالا مگر کرن نے اُسے پسپا کرکے پیچھے ہٹا دیا۔ اس معرکہ میں دونوں طرف کی بہت سی فوج کام آئی۔ اب پانڈو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے حتیٰ کہ شکست کھا گئے۔ یہ حال دیکھکر ارجن نے جلدی سے اپنی تتر بتر فوج کو اکٹھا کیا اور کرن کے سر پر آکھڑا ہوا۔ یہ دونوں فنون سپہ گری میں یگانہ زمانہ تھے گھنٹوں تک شیروں کی طرح لڑتے رہے اور آخر کار کرن مارا گیا۔ فتحمند پانڈو نے زور زور سے قہقہے لگائے اور کورو ہزیمت خوردہ ہو کر اپنے قیام گاہ کو واپس آئے۔

یہ خبر بہت جلد مشہور ہو گئی کہ درجودھن میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ پانڈو نے فوراً تعاقب کیا اور اُسے محفوظ جگہ سے جہاں وہ چھپا ہوا تھا ڈھونڈ نکالا۔ جب جائے گریز نہ رہی تو اُس نے نکل کر بھیم سے دست بدست مبارزت کی درخواست کی اور دونوں دو مست ہاتھیوں کی طرح لڑنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ درجودھن سخت مجروح ہو کر مارا گیا۔ اِن کے سوا درجودھن کے جسم کا ہر ایک حصہ مثل آہن کے ایسا سخت تھا کہ کوئی ضرب یا ہتھیار کارگر نہ ہوتا تھا۔ جنگ کی پریشانی اور سراسیمگی میں بھیم اُس کی ران پر ضرب لگانا بھول گیا۔ مگر سری کرشن نے جو یہاں موجود تھے اس طور سے گویا کہ وہ بھیم کا دل بڑھا رہے ہیں اپنی ران پر زور سے ہات مارا۔ اس اشارہ کو سمجھکر بھیم نے درجودھن کی ران پر

ایک مہلک ضرب رسید کی اور اسی آخری ضرب نے کرک شیتر کی جنگ عظیم میں پانڈو اور کوروں کی قسمتوں کا فیصلہ کر دیا۔

پانڈو فتح کا ڈنکا بجاتے ہوئے ہستنا پور[ا] میں داخل ہوئے۔ مگر یہ فتحیابی تمام ان کے اعزاد اقربا اور احباب و اقارب کے خون سے آلودہ تھی اس لئے اس سے انہیں ذرا بھی خوشی نہ ہوئی مگر یہ معاملات تقدیری تھے ان میں کشش اور کوشش سے کیا ہوتا۔ جب وہ نصرت و فیروزی کے پرچم اڑاتے اپنے آباؤ اجداد کی دار السلطنت میں داخل ہوئے۔ تو ہر جگہ فرحت و شادمانی کے عوض سناٹا دیکھا۔ نہ خوشی کے شادیانے بجتے سنائی دیئے اور نہ مبارک سلامت کی صدا یا آتشبازی چھٹنے کی آواز کانوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھی۔ وہ خاموشی کے ساتھ چلتے چلتے بارگاہ سلطانی اور حرم شاہی کے مکانات میں پہنچے مگر ہائے یہاں بھی دل خراش نالوں اور شور و شیون کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اور ہر در و دیوار سے حسرت برس رہی تھی۔

اس طرح بدذات سرکش کوروں کا خاتمہ ہوا۔ گر سری کرشن کو ابھی ایک اور بڑا کام کرنا باقی تھا انہیں اپنے جادوں خاندان کے بد اعمالوں سے بھی دنیا کو پاک کرنا منظور تھا جن میں ان کے بیٹے اور پوتے بھی تھے۔

فی الحقیقت اگر سری کرشن اس جنگ میں موجود نہ ہوتے اور وہ اپنی اعلیٰ تدبیر سیاسی اور حکمت عملیوں سے غریب پانڈوں کی اعانت نہ کرتے تو ان کا فتحیاب ہونا ناممکن تھا سری کرشن نے صرف مشورت اور ترغیب منہیات ہی سے اپنے پیارے دوست ارجن کو فتحیابی حاصل کرنے میں مدد نہیں دی۔ بلکہ اُسے ایک ایسا مذہب بھی اپنے پند و نصائح کی تائید میں تلقین کیا جو بالکل انوکھا اصول پر مبنی ہے۔ اُنھوں نے کہا اخلاقی نیکیوں کی قید اُٹھا دو اور کیا والدین کیا ادیب کیا برہمن کیا حقیقی اور چچیرے بھائی، کیا مرد، کیا عورت، کیا بچے سب کو بیدریغ تہ تیغ کر دو اور اس کے عملدرآمد میں ہر قسم کے مکر و فریب اور دروغ و ناراستی سے فائدہ اُٹھاؤ۔ متھرا کی تخت نشینی کے دن سے سری کرشن کے واقعات زندگی ایک اخلاقی اسرار ہو گئے تھے اگرچہ بدذاتوں اور بدکاروں کو صفحۂ روزگار

[ا] یہ دہلی کے قریب آباد تھا۔ اب بھی کھنڈر موجود ہیں۔ اللہ اللہ کسی زمانے میں جہاں دن رات چہل پہل رہتی تھی اب وہاں سناٹا ہو گا عالم اور خاک اڑتی ہے۔ مترجم

سے نیست و نابود کر دینا ان کا اصل مطلب اور دلی منشا تھا اور محبت اور خوش حالی کی نئی دنیا ایجاد کرنا ان کے ہر کام سے پایا جاتا تھا۔ مگر انھوں نے بجائے خود اپنے آپ کو ایک ایسا شخص ثابت کیا جس کے قالب میں انسانی دل ہی نہ تھا جس کو رنج و راحت برائی بھلائی کا کچھ اثر ہی نہ ہوتا تھا جو مجسّم دنیا داری کا پتلا تھا اور جو اپنی مطلب براری کے لئے کسی قسم کے نیک و بد کام کرنے میں بندہی نہ تھا۔ غرض ان کا چال چلن امور اخلاقی سے بالکل متناقض بلکہ ایک بہت بڑا اسرار مخفی تھا۔

اگر سری کرشن اپنے مذہبی اصول اور فرائض زندگی کی تشریح کئے بغیر دنیا کے سر سے اپنا سایہ اٹھا لیتے تو اس میں شک نہیں کہ لوگوں کے خیالات اُن کی جانب سے بہت ہی فاسد ہو جاتے مگر جب ان کے دوست ارجن نے کرک شیتر کی جنگ عظیم میں ان کے انوکھے اصول اور قواعد مذہبی کی پیروی سے قطعی انکار کیا تو انھیں مجبوراً دلائل و براہین سے ان کی تشریح و تائید کرنی پڑی۔ وہ اصول ایسے معقول سچے اور قابل عظمت ثابت ہوئے کہ اُن کی بدولت اُس دن سے تمام عالم میں ان کی پرستش خالق اکبر کے اعلیٰ اوتار کی طرح ہونے لگی اور اُن کا مذہب کل بنی نوع انسان کا مذہب ہو گیا۔

اسی طرح وہ اپنے رشتہ داروں کو بلا سزا دیئے چھوڑ دیتے تو ضرور ہم کو اُن کے مقصد کی صداقت میں کلام ہوتا۔ مگر اور وں کا تو کیا ذکر اُنھوں نے اپنی ذات قدسی صفات تک کو باقی نہ رکھا پہلے پہل اپنے قریبی رشتہ دار اور دوست کوروں کا خاتمہ کیا پھر اپنے خاص عالی قدر فرقہ کو جس میں اُن کے بیشمار لڑکے پوتے بھرے تھے خاک میں ملا دیا۔

امر آخر الذکر کی انجام دہی کے لئے وہ ان سب کو پرواسش کی بڑی جاترا کے لئے لے گئے پرواسش نہایت خوشنما، فرحت افزا اور متبرک مقام تھا۔ اس جاترا کی اہل دوارکا کو بڑی خوشی ہوئی سری کرشن کے لڑکے پوتے۔ جادوں خاندان کے شہزادے وغیرہ سب بڑی سرگرمی سے تیاریاں کرنے لگے۔ کھانے پینے کو طرح طرح نعمتیں۔ شراب کے بیشمار قرابے اور جملہ سامان عیش و نشاط ساتھ لیا۔ غرض جاترا کا لطف اُٹھانے کے لئے کسی چیز کی کمی نہ تھی۔

اس متبرک مقام میں پہنچکر پہلے سب نے دینی رسوم اور مذہبی فرائض ادا کئے۔ غربا و مساکین کو خیرات تقسیم کی۔ برہمنوں کو کھانا کھلایا۔ اس کے بعد خورد و نوش اور عیش و طرب میں مشغول ہوئے۔ محفل

رقص و سرود گرم ہوئی۔ دور شراب چلنے لگا۔ میخواری کی مضرتیں اہل خرد پر مخفی نہیں۔ رفتہ رفتہ نشہ ایسا تیز ہوا کہ ہر طرف فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکنے لگے۔ ایک نے کچھ کہا دوسرے نے سخت کلامی کی۔ باتوں باتوں میں تلوار کھنچ گئی اور کسی کی جان گئی۔ مقتول کے دوست جھرمٹ کرکے قاتل پر ٹوٹ پڑے۔ قاتل کے حامی اس کی مخلصی کے لئے دوڑے۔ یوں ایک اچھی خاصی لڑائی وہیں شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں چاروں طرف خون کی ندّیاں بہنے لگیں اور جادوں کے شہزادے درختوں کے پتّوں کی طرح کٹ کٹ کر ہر طرف گرنے لگے۔ اس خانہ جنگی اور شتِ خون کے روکنے کے لئے سری کرشن سے مرافعت کی گئی۔ مگر وہ بھی اس ہنگامہ میں بلوائیوں کی طرح شریک ہوکر خود اپنے لڑکوں اور پوتوں کو قتل کرنے لگے۔ اس طرح بہت جلد کل فرقہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اور سری کرشن کے سوا کوئی باقی نہ بچا۔

اس واقعہ کے بعد سری کرشن نے اپنے رتھ بان کو حکم دیا کہ وہ ہستنا پور پہنچکر اُنکے رفیق ارجن سے یہ تمام سرگذشت بیان کرے اور پیام دے کہ دوارکا کی بے سرپرست شہزادیوں اور لاوارث بیواؤں کو فوراً ہستنا پور لے جائیں اور اُن کی حفظ و امن میں مصروف ہوں۔

ناظرین اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اب اُن کا ارادہ اپنے دار السلطنت کی طرف واپسی کا نہ تھا۔ شاید انھیں یہ خیال ہوا کہ اب ہمارا دور ختم ہوا اور قبض و دخل اُٹھ گیا یا شاید یہ مطلب ہو کہ ہمارا کام انجام کو پہنچ گیا۔ خیر جو کچھ بھی ہو انھوں نے کم توجہی کے ساتھ مقتل میں اپنے عزیز اقارب کی بے کفن نعشوں پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی اور وہاں سے روانہ ہوکر خراماں خراماں ایک طرف کو چل دیئے۔

چلتے چلتے وہ ایک درخت کے پاس جا پہنچے اور اُس کے سایہ میں پڑکر سو رہے بہت جلد وہاں ایک شکاری کا گزر ہوا۔ اُس نے دور سے گھنی پتیوں کی آڑ میں اُن کو پڑا ہوا دیکھکر خیال کیا کہ کوئی شکار ہے۔ فوراً شست باندھ کر نشانہ لگایا۔

افسوس وہاں گھنے جنگل میں ایک سبز پوش درخت کے نیچے اس فخر روزگار نے زخم کاری کھایا اور ساری دنیا سے الگ تھلگ ایک گوشہ میں اپنی جان شیریں خالق جہاں آفریں کے

سپردکی۔ ہائے وہ شخص جس کی فسوں گر بانسلی کی دلربا تانوں نے گوکل اور بندرابن کی کمسن زاہد فریب گوپیوں کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ شخص جس کی خوش فعلیاں گوالوں کی تفریح کا باعث تھیں۔ وہ شخص جس کا تبسم نیک مردوں کے ظلمت کدوں کو مہر جہاں تاب کی مانند ضیا بخشتا تھا وہ شخص جس کی قہر آلودہ نگاہ دوارکا، متھرا، ہستناپور، بلکہ کل بدکاران ہند کے دلوں پر بجلیاں گراتی تھی۔ وہ شخص جس کے جلوے کی جھلکیوں سے اس تاریک زمانہ میں بنی نوع انسان کی نظروں کو چکا چوند لگ گئی تھی، جس تاریک پردے سے شمع ہدایت ہات میں لیکر ظاہر ہوا تھا یکایک اُسی میں غائب ہوگیا

تعلیمات سری کرشن

صفحات بالا میں ہم نے سری کرشن کی زندگی کے صرف بعض خاص سوانح بیان کئے ہیں ہم افسوس کرتے ہیں کہ اس مختصر رسالہ میں اس قدر گنجائش نہیں ہے کہ اُن کی تعلیمات کو شرح درج کریں۔ صرف یہی ایسے رہنما گزرے ہیں جنہوں نے مذہبی وعظ کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ ان کی بود و باش دنیاداروں کی سی تھی۔ اور طرزِ عمل بالکل رسمیات زمانہ کے مطابق تھا۔ لیکن انھوں نے اپنے واقعات زندگی سے فعل، علم اور عشق کا کمال ثابت کر دکھایا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان کی حیات اور ان کا عہد ہی جیتا جاگتا وعظ، پُرجوش دینی نصائح اور خدائے لغفور الرحیم کا نمایاں ظہور تھا انھوں نے اپنی طرز معاشرت سے ظاہر کیا کہ کامل اور خوش حال آدمی کس کو کہتے ہیں۔ اور بتایا کہ بغیر کسی مذہب کے پیرو ہونے اور رسوم دینی ادا کرنے کے صرف دنیوی فرائض کی انجام دہی سے کس طرح نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

لیکن انھوں نے وعظ اس طرح کیا کہ جو لوگ اُن کے پاس آئے اُن کو ہدایتیں دیں اور اپنے احباب اور رشتہ داروں کو بتایا کہ سچا مذہب کیا ہے۔ وہ روزمرّہ کی زندگی میں الہامی اور آسمانی باتیں بھی بیان کرتے تھے۔ ہم ان سب متفرق اقوال کا مجموعہ ایک ایسی کتاب میں پاتے ہیں جو آج دنیا کی تمام کتابوں میں اعلیٰ درجہ کی سمجھی جاتی ہے۔ اس کا نام بھگوت گیتا (کلام ربانی) ہے۔

وہ سچے ایماندار ہندوؤں کی طرح زندگی بسر کرتے۔ زمانہ کے تمام موجودہ امور دینی اور اصول مذہبی کی پیروی کرتے اور برہمن علما کی قدر و منزلت کرتے تھے۔ انھوں نے قدیم مذہب کے ڈھانے اور اُس کی جگہ اپنا نیا مذہب قائم کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اُن کا قول تھا کہ نئے مذہب اختیار کرنے سے اپنے ہی مذہب پر قائم رہنا بہتر ہے خواہ وہ کتنا ہی فضیلت و خوبی کا محتاج ہو۔

سری کرشن کے فضایل و کمالات کی شہرت کے زمانے میں ہندوستان میں فلسفیوں کے تین فرقے نہایت معزز سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سے سانکھ والوں نے عالم کی ابتدا انشو ونما اور کمال کی تشریح کر کے تلقین کیا کہ علم الیقین انسان کو دنیوی تکالیف اور ناپائدار ہستی کے علائق سے رہائی دیتا ہے جوگ مارگ والوں نے بیان کیا کہ علم الیقین کے معنی علم الہی کے ہیں اور یہ علم فقط تصور اور ریاضت سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اور ویدانتیوں کا قول تھا کہ انسان کی ذات صدور خالق عالم و عالمیان کی ذات قدسی صفات سے ہے۔ پس انسان کو اپنے مصدر کا جاننا لابد ہے۔ سری کرشن نے ان تینوں فرقوں میں سے کسی فریق کے مسائل پر حجت نہیں کی بلکہ سب کی تائید کی فقط ان فلسفوں کے سلسلوں میں جو جو کڑیاں کم تھیں وہ مہیا کر دیں۔ غرض انھوں نے نہ کوئی نیا فلسفہ ایجاد کیا اور نہ نئے الہیات کے وعظ کیے۔

کل اصول موجود تھے ان پر جہل کی تاریکی کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ یا یوں سمجھو کہ ایک اندھی کوٹھری میں بہت سی عجوبہ اور نادر چیزیں موجود تو تھیں۔ مگر وہ بسبب احتیاج روشنی یا چشم بصیرت کے انسان کی نظر سے اوجھل رہیں۔ یہی حال اس وقت دنیا اور بنی آدم کا تھا۔ یعنی انسان کی خوشحالی کے دنیا میں سب سامان موجود تھے مگر ہر طرف ایسی تاریکی چھائی ہوئی تھی کہ باوجود قربت انسان اپنی خوشی کے ذرائع نہ ڈھونڈھ سکتا تھا۔ سری کرشن نے اس ظلمت کدہ میں ایک روشن شمع رکھکر انسان کو وہی چیزیں مشاہدہ کرائیں جن کے دیکھنے سے وہ محروم تھے۔ کوئی نئی ایجاد نہیں کی ہندوؤں کو اپنے نامی فلاسفہ کے ذریعہ سے معلوم ہوا تھا کہ علم الیقین نجات کا ذریعہ ہے مگر وہ کیا ہے اور اس کے حاصل کرنے کے کیا طریقے ہیں۔ ان سوالوں کا جواب برہمن یوں دیتے تھے کہ جگ اور جوگ اس علم کے حصول کے ذریعے ہیں۔ سانکھ والے فلسفی کہتے تھے "مصائب انسانی کی اصلیت دریافت کر کے اُن سے نجات پانا علم الیقین کا درجہ ہے"۔ جوگ مارگ کے فلسفیوں کا مقولہ تھا "ریاضتہائے جوگ سے خداشناسی کا مرتبہ حاصل کرنا علم الیقین ہے"۔ اور ویدانتی بیان کرتے تھے کہ "اپنی ذات اور خدا کو ایک جاننا یعنی مقام شہود علم الیقین ہے"۔ الغرض اس سچے علم کے حاصل کرنے کے لئے چند وسائل کی خواہ وہ کچھ ہی ہوں ضرور حاجت تھی۔ لیکن ان ذرائع و وسائل کی بابت بہت بڑا اختلاف تھا۔ اور اس اصلی اصول کے مطلع پر تاریکی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی ہر

نے اس ظلمت کو دور کر کے راہ خدا روشن کردی اور طریق عمل بتایا۔

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ سری کرشن کی ہدایات اور تعلیمات کا مجموعہ بھگوت گیتا میں پایا جاتا ہے۔ مگر یہاں یہ ظاہر کر دینا مناسب ہوگا کہ گیتا کس کو کہتے ہیں۔

گیتا سنسکرت کی نظم بدیع مہابھارت کا قصہ در قصہ ہے۔ اس کتاب میں وہ ہدایات اور نصائح مندرج ہیں جو سری کرشن نے ارجن کو کرکشیتر کے میدان میں اُس وقت کی تھیں جب اس نے اپنے اعزا و اقربا کے ساتھ جنگ کرنے سے قطعی انکار کیا تھا۔ ہم سے اگلے نازک خیال مصنفین اور منشیان گرانمایہ اس معاملہ میں بہت کچھ خامہ فرسائی کر چکے ہیں پس ہم یہاں اس امر کی بحث ہی نہ کریں گے کہ آیا گیتا در اصل اس اعلیٰ نظم رزمیہ کا حصہ ہے یا بعد کا اضافہ۔ ہدایات و نصائح مندرجہ گیتا فی الحقیقت سری کرشن کی تلقینیں ہیں یا مصنفین کی قوت متخیلہ کا نتیجہ۔ اور سری کرشن کو اس حصہ نظم سے کچھ علاقہ بھی ہے یا نہیں۔ کچھ ہی ہو مگر یہ کہا جاتا ہے کہ ہدایات و نصائح مذکورہ سری کرشن کی بیان کی ہوئی ہیں۔ خود مہابھارت کے عالی قدر مصنف نے سری کرشن کو گیتا کا متکلم قرار دیا ہے اور سلف سے خلف تک عموماً ہندوؤں کا یہی عقیدہ ہے۔ نیز سری کرشن کے واقعات زندگی پر نظر ڈالنے سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ان کی پُر ماجرا حیات کے حالات مسائل و ملفوظات گیتا میں موجود ہیں۔

جس وقت دونوں فوجیں میدان جنگ میں معرکہ آرائی کے لئے صف بہ صف کھڑی ہوئیں تو ارجن نے اپنے دوست سری کرشن سے کہا کہ میرا رتھ ایسے مقام پر کھڑا کیا جاوے جہاں سے میں لڑنے والی فوجوں کو اچھی طرح دیکھ سکوں۔ انہوں نے اس درخواست کو پورا کیا۔ اس وقت ارجن نے غل مچا کر کہا "اے سری کرشن ان یگانوں کو دیکھکر میرا مونھ خشک ہوا جاتا ہے۔ میرا بدن پھنکا جاتا ہے۔ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جسم تھراتا ہے۔ عضو عضو جدا ہوا جاتا ہے۔ کمان ہات سے گری جاتی ہے۔ مجھ میں اب کھڑے ہونے کی بالکل سکت نہیں۔ مجھے چکر آرہے ہیں۔ یہ شگون بہت برے معلوم ہوتے ہیں۔ ہائے اپنے عزیز و یگانوں کو جنگ میں قتل کر کے مجھے کونسی خوشی اور بہتری حاصل ہوگی میں فتحیابی سے باز آیا۔ اب مجھے نہ ملک گیری کی آرزو ہے نہ عیش و عشرت کی تمنا۔ آف ہم جن کے لئے بادشاہت کی خواہش رکھتے ہیں وہی یہاں اپنے جان و مال پر خاک ڈالے

لڑنے کے لئے آمادہ کھڑے ہیں - ان میں استاد شاگرد باپ بیٹے دادا پوتے ماموں بھانجے خسر داماد سالے بہنوئی سبھی ہیں - مجھے عقبیٰ کی سلطنت ملجائے تب بھی میں ان کو قتل کرنا نہیں چاہتا - خواہ وہ مجھے مارہی ڈالیں - پھر دنیا کی بادشاہی کی کیا اصل وحقیقت ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ ہم جہانداری کی طمع سے اپنے یگانوں کے مار ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں - آہ، ہم کیسے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں! اے سری کرشن میں آپ کا مرید ہوا - فرمایئے میرے حق میں کونسی بات مفید ہوگی -

یہ ارجن کے دلی خیالات کی نہایت عمدہ تصویر ہے - جس کی نسبت امید کیجاتی تھی کہ وہ تمام مانی ہوئی مذہبی اور اخلاقی نیکیوں کو پامال کرکے ہر قسم کے تسلیم کردہ گناہ اور بدکاریوں کا مرتکب ہوگا - ناپائدار دنیا کی گزری میں ہر مرد وزن کے دل کی کیفیت کبھی قدم قدم پر ایسی ہی ہوجایا کرتی ہے کیونکہ بغیر کسی تعلیم کے نیک و بد کی تمیز سخت دشوار ہے - ممکن ہے کہ جو بات ایک شخص کے لئے اچھی ہے دوسرے کے حق میں بُری ہو اور جو چیز آج اچھی ہے کل بُری ہوجائے - اس لئے آرزومندانہ وہ کسی رہبر کو ڈھونڈھتا ہے اور ارجن کی طرح پکار کر کہتا ہے "فرمایئے میرے حق میں کونسی بات یقیناً مفید ہوگی" پس ایسی حالت میں سری کرشن بعض بالکل نئے اصول دینی اختراع نہ فرماتے اور اخلاقی دلائل سے اُن کو صحیح ثابت نہ کرتے تو کوئی ذی ہوش اور سلیم الطبع شخص یوں عقلی اور اخلاقی خوبیوں کا خون کرکے جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لئے رضامند نہ ہوتا جن اصول ومسائل دینیہ نے ارجن کے شکوک رفع کئے انھیں نے کل بنی نوع انسان کے دلوں کو تسکین دی -

سری کرشن نے ارجن کے سوالات کے جواب میں فرمایا "تم ایسے شخصوں کے لئے رنج و افسوس کرتے ہو جو بالکل اس کے مستحق نہیں ہیں - ذی علم نہ زندوں کا رنج کھاتے ہیں نہ مردوں کا غم کرتے ہیں - نہ کبھی میرا وجود تھا نہ تمھارا اور نہ کسی حکمراں کا اسی طرح ہم میں سے کبھی کوئی معدوم بھی نہ ہوگا - جو روح کو قاتل ٹھہراتا ہے یا مقتول سمجھتا ہے یقیناً عقل سے خالی اور سمجھ سے عاری ہے - وہ نہ کسی کو ہلاک کرتی ہے نہ خود ہلاک ہوتی ہے - نہ کبھی پیدا ہوتی ہے نہ مرتی ہے پس روح کو ان صفات سے موصوف سمجھکر تم کو ہرگز کسی بات کا رنج وغم نہ کرنا چاہئے -

اسی بنیاد پر سری کرشن اپنے فلسفہ کی عمارت اٹھاتے ہیں - وہ فرماتے ہیں "دنیا عالم مثال ہے یا عالم برزخ کا سایہ ہے - اس نمودار سایہ کے اس طرف ایک اور دنیا ہے جو لازوال، فہیم

مبدل، پیوستہ، پائدار، مستحکم اور ابدی ہے۔ یہ عالم مثال ایک سراب ہے جس میں ذاتی اصلیت اور پائداری مطلق نہیں ہے۔ پس تمہارے دنیوی افعال سرابی تبدیلیاں ہیں اور ان کا اثر عالم برزخ پر کچھ نہیں پڑ سکتا۔ تمہیں جو پسند ہو وہ کرو تمہارا فعل اس حیرت انگیز عالم کے لئے کچھ نفع و نقصان نہیں کر سکتا۔ تمہیں رنج محسوس ہوتا ہے کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ ہمارے افعال سچے عالم برزخ پر موثر ہوں گے۔ لیکن یہ خیالات اور عقائد بالکل خام اور باطل ہیں۔ تمہاری ہستی مثل خواب کے ہے۔"

وہ فرماتے ہیں: "جس کا دل خود بینی کے دھوکے میں پڑا ہے وہ اپنے ہی آپ کو ہر فعل کا فاعل خیال کرتا ہے۔ گو ہر کام ہر حالت میں قدرتی خاصیتوں سے انجام پاتا ہے کیونکہ عالم وجودات قدرت کاملہ سے وابستہ ہے۔ پس اے ارجن جو کام تم مغالطہ کی وجہ سے کرنا نہیں چاہتے اسے بلاقصد و ارادہ کرتے لگو گے۔ ہر متنفس کے دل میں مالک حقیقی جلوہ گر ہے اور وہ اپنی قدرت سے اسے ہر وقت اس طرح متحرک رکھتا ہے گویا کوئی چلا رہا ہو۔ اس کا مطلب صاف لفظوں میں یہ ہے کہ تمہاری ہستی فی نفسہ سایہ کی مانند ہے۔ تم کوئی کام خود نہیں کرتے۔ تمہارے کاموں کی فاعل کوئی اور ہی ہستی ہے جسے تم خدا کہتے ہو۔ مگر تم اپنی خود بینی کے پھیر میں اپنے آپ کو فاعل جانتے ہو اور یہ بڑی غلطی ہے۔

یہ عالم برزخ اور عالم مثال کی سچی حقیقت ہے۔ عالم برزخ لازوال غیر مبدل پیوستہ پائدار اور مستحکم۔ برخلاف اس کے عالم مثال مبدل ناپائدار اور محدود وغیرہ ہے۔ عالم برزخ میں تمام چیزیں خوبصورت مقتدر خالص خوشنما اور خدائی ہیں۔ مگر عالم مثال میں سب چیزیں عمدہ خوبصورت۔ فرحت بخش اور خالص نہیں ہیں۔

تو پھر عالم مثال میں مصیبت بدکرداری۔ جرم اور گناہ کیونکر پیدا ہوتے ہیں ناقابل برداشت تکالیف۔ مصائب گریہ و شیون اور ہر قسم کی بدی شیطنت بدذاتی اور بدکرداری کا کیا سبب ہے؟

مغالطہ مایا کی وجہ سے انسان عالم مثال کی جھوٹی چیزوں کو سچا سمجھتا ہے، اور اس حالت خواب میں اسے ہر خیالی چیز حقیقی معلوم ہوتی ہے۔ یعنی مغالطہ تکلیف اور مصیبت کا باعث ہے۔ یہی بھول بنی نوع انسان کی جہالت اور نادانی ہے۔ یہی مایا کی پیدا کی ہوئی غفلت ہے اور یہی انسانی روح کی حالت خواب ہے۔

اس دقیق مسئلہ کو سمجھانے کے لئے ہم تھوڑی دیر کو اصلی ۔ پائدار ۔ لازوال اور مستحکم عالم برزخ سے قطع نظر کر کے ناپائدار ۔ مبدل ۔ بے بود اور جھوٹے عالم مثال کو سچی دنیا مانے لیتے ہیں ۔ مگر ناظرین اس امر کو فراموش نہ کریں کہ عالم مثال کی ہستی خواب کی مانند ہے ۔ جب تک انسان پر خواب طاری رہتا ہے اُسے اُس کا کذب معلوم نہیں ہوتا اور وہ اُس حالت کو سچا جانتا ہے ۔ اسی طرح اس مغالطہ میں پھنسا ہوا انسان عالم مثال کو برحق سمجھتا ہے ۔ یعنی مغالطہ کی وجہ سے دنیا سچی معلوم ہوتی ہے ۔

اب یہ سوال ہے کہ زندگی کیا چیز ہے ؟ حیات انسانی افعال ظاہری اور باطنی کا سلسلہ ہے ۔ افعال کے بغیر زندگی قائم نہیں رہ سکتی ۔ افعال سے نتائج اور نتائج سے نئے افعال پیدا ہوتے ہیں ۔ یوں مغالطہ میں پڑے ہوئے انسان کی موت زیست کا سلسلہ دور ابد تک قائم رہتا ہے اگر ہم کسی آدمی کی حالت پر غور کریں تو ثابت ہو گا کہ اس کا وجود اصلی نہیں بلکہ کسی شخص سابق کے افعال کا نتیجہ ہے ۔ انسان کے مرنے کے بعد اُس کے افعال کے نتائج باقی رہتے ہیں اور وہ دوسرا انسان پیدا کر دیتے ہیں ۔

مغالطہ (مایا) انسان کو خلق کرتا ہے ۔ انسان سے افعال سرزد ہوتے ہیں افعال سے نتائج اور نتائج سے پھر انسان پیدا ہوتا ہے ۔ وقس علیٰ ہذا یہی سلسلہ دور ابد تک جاری رہتا ہے یہی فلسفہ ہے جسے سری کرشن نے ایجاد یا شاید تسلیم کیا ۔ کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ یہی یا اس کے مثل کوئی اور فلسفہ اُن کے ظہور سے قبل بھی موجود تھا ۔

ہم اس فلسفہ کو مان لیں تو ہمارا رستہ بہت صاف ہو جاتا ہے ۔ ایک طرف خوشحال ۔ خوبصورت نیک لازوال ۔ غیر مبدل ۔ مستحکم عالم برزخ ۔ اور دوسری طرف بدقسمت نجس ۔ بد ۔ ناپائدار اور متغیر عالم مثال کو رکھکر دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ عالم اول الذکر ہماری حالت بیداری اور عالم آخر الذکر حالت خواب ہے ۔ اصل میں ہم غیر مبدل لازوال خوبصورت نیک اور خوش قسمت ہیں مگر مغالطہ کے سبب سے بدنصیب ۔ مبدل ناپاک اور نکبت زدہ ہو گئے ہیں ۔

اس لئے یہ ہمارا ابدی فرض ہو گیا کہ ہم اس خواب سے بیدار ہوں یعنی مغالطہ کو دور کر دیں ہم اس مرحلہ کو طے کر لیں گے تو ہم غیر مبدل اور خوش حال ہو جائیں گے اور وہ حالت جسے نجات کہتے ہیں ہم کو حاصل ہو جائے گی ۔

مغالطہ سے خودی اور خودبینی پیدا ہوتی ہے اور دلی مغالطہ ہی ان سب علتوں کی جڑ ہے یہی انسان کے دل میں اُس کی ہستی کا خیال فاسد پیدا کرتا ہے۔ جب وہ اپنی زندگی کو محسوس کرتا ہے تو اپنے گرد و پیش ایک جیتی جاگتی دنیا دیکھتا ہے۔ پس وہ اپنے وجود اور دنیا کو خوب پیدا کر لیتا ہے اُسے یہ من گھڑت دنیا بیشک اُس وقت تک سچی اور اصلی معلوم ہوگی جب تک وہ اپنی ہستی کو مغالطہ کی وجہ سے سچا سمجھتا ہے۔ مگر ہستی کیونکر محسوس ہوتی ہے؟ حواس ظاہری یا باطنی سے انسان محسوس کرتا ہے کہ اُس کے افعال کا صدور اُس کی ذات سے ہے۔ جب ہم کسی جسم کو بے حس و حرکت پاتے ہیں تو اُسے نعش کہتے ہیں۔ لیکن انسان ذوجسدین ہے۔ وہ جسم رکھتا ہے۔ ایک ظاہری دوسرا باطنی یا روحانی۔ جسم روحانی یا غیر مادی جسم ظاہری یا مادی کا عادی ہے یعنی وہ اُسے ناما اور سانچہ میں ڈھالتا ہے اور اُس کے ذاتی افعال بھی ہیں۔ جس طرح جسم مادی حس و حرکت بند ہونے سے معطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جسم روحانی بھی صدور فعل کے موقوف ہونے سے معدوم ہو جاتا ہے۔ لہذا صدار افعال ہستی کا وجود ہے۔ انسان منفی فعل برابر ہے صفر کے یعنی انسان کو مفروق منہ اور فعل کو مفروق قرار دیں تو ان دونوں کا حاصل تفریق کچھ نہ ہوگا۔ پس انسانی وجود کی بقا افعال پر منحصر ہے۔ گویا افعال مغالطہ کے نتائج یا عالم خواب کے افعال ہوں تاہم وہ فعل ہی ہیں لہذا اُن کے نتائج بھی ہیں۔ مگر ان نتائج سے حالت خواب کے نتائج مراد ہیں۔ ہر فعل کے لئے ایک نتیجہ مخصوص ہوتا ہے۔ انسانی افعال ہمیشہ اپنے نتیجوں میں محفوظ رہتے ہیں۔ اور یہ نتائج پھر نئے افعال پیدا کرتے ہیں۔ یونہیں یہ سلسلہ منتہائے بقا تک جاری رہتا ہے۔ انسان مر جائے یا اپنے جسم مادی سے رحلت کرے مگر اُس کے باطنی افعال قائم رہیں گے اور یقیناً کسی اور روحانی یا مادی پیدائش کا ذریعہ ہوں گے۔ یا کسی دیگر طریقہ پر موثر ہوں گے یوں مغالطہ جو انسان کو پیدا کر کے اُسے اُس کی شخصی ہستی دکھاتا ہے۔ یوم القیام تک اُس کو زندہ رکھتا ہے انسان بہت سی دفعہ مرتا اور زندہ ہوتا ہے۔ بہت سے رنج و آرام اٹھاتا ہے اور بہت سے انقلاب دیکھتا ہے۔ جب تک مغالطہ کا بھوت اُس پر سوار رہتا ہے وہ شخصی ہستی کے خواب سے بیدار نہیں ہوتا۔ فی الحقیقۃ انسان حیات و ممات اور تناسخ کا پابند نہیں لیکن مغالطہ کی وجہ سے جب تک خواب دنیا اُس پر طاری ہے حیات و ممات اور تناسخ لابدی ہے۔ یہ بیان کرنا ضرور نہیں کہ مغالطہ کے دام سے رہائی پانا بالکل آسان نہیں۔ مگر کیا اپنی ہستی کو فراموش کر سکتا ہے

کیا وہ مغالطہ رفع ہو سکتا ہے اور خواب غفلت سے بیدار ہو کر انسان اپنی سچی اور اصل ہستی کو دیکھ سکتا ہے؟
سری کرشن نے فرمایا: "علم روحانی حاصل کرنے سے جس کا نتیجہ زہد ہوگا انسان اپنی ظاہری ہستی فراموش کر کے سچی اور اصل ہستی دیکھ سکتا ہے۔ جو دانشور دولت زہد و عشق حاصل کر لیتے ہیں وہ ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں رنج و تکلیف بالکل نہیں ہے۔ اور جس وقت دل یا من تصور (سمادھی) سے مضبوط اور مستقل ہو جاتا ہے یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے۔"

اس کے بعد سری کرشن نے اس علم کے حاصل کرنے کے مختلف ذرائع و وسایل بیان کئے۔ اور تصور ریاضتہائے جوگ، زہد وغیرہ کے حالات ظاہر کئے۔ یہ مسئلہ کہ مغالطہ علم کے حاصل کرنے سے رفع ہو سکتا ہے۔ سری کرشن کا ایجاد کیا ہوا نہ تھا بلکہ اکثر فلاسفہ نے اُن کے ظہور سے قبل بھی ایسا ہی کہا تھا۔ لیکن اس علم کی تحصیل کی بابت بڑا اختلاف تھا۔ تین مسلمہ طریقے اُس وقت رائج تھے یعنی تصور نفس کشی اور زہد باطنی۔ سری کرشن نے ان تینوں کو قبول کیا۔ مگر جب ارجن نے اعتراض کیا کہ زہد باطنی کو افعال پر فضیلت ہے تو افعال کی عظمت اور ضرورت پر اس قدر کیوں زور دیا گیا اُس وقت سری کرشن نے فرمایا: "صرف افعال ہی کے ذریعہ سے انسان کو افعال سے آزادی ملتی ہے۔" بغیر افعال کے انسان ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس ایسے زہد کو ترجیح ہے جو افعال سے حاصل کیا جاوے۔"

حصول زہد باطنی کے لئے کیا کیا افعال کرنے چاہئیں؟ سری کرشن نے جواب دیا "اپنے فرائض لازمی۔" اور فرمایا کہ جو شخص اپنی زندگی کے فرائض ادا کرتا ہے اور اجر کی خواہش نہ رکھ کر انہیں منعم حقیقی کے سپرد کرتا ہے۔ وہ دنیا کی جھیل میں کنول کے پھول کی طرح تیرتا ہے اور اُسے مد و جزر کے تھپیڑوں سے ذرا بھی گزند نہیں پہنچتا۔

انسان کو اپنے فرائض ادا کرنا چاہئے خواہ وہ ناگوار ہوں یا خوش آیند بد ہوں یا نیک جو شخص اپنا کار خدمت جو قانون قدرت نے اس کے لئے معین کیا ہے انجام دیتا ہے وہ کسی گناہ کا مرتکب نہیں۔ اس لئے انسان کو ان فرائض کے ادا کرنے سے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے پہلو تہی نہ کرنا چاہئے گو وہ سراسر غلطیوں سے مملو ہوں۔ انسانی فہم و ادراک سہو و خطا سے مرکب ہے۔ جس طرح آگ کے ساتھ دھواں ہے اسی طرح عقل کے ساتھ غلطیاں ہیں۔ انسانی سمجھ

کے لئے مذہب نہایت ادق مضمون خیال کیا جاتا ہے۔ دنیا و عقبیٰ میں خوشحال رہنا۔ ابدی راحت اور روحانی مسرت حاصل کرنا۔ بہشت و نجاۃ کا ملنا انسان کے لئے یہ مشکل مسئلے تھے۔ نجاۃ حاصل کرنے کے جو طریقے معلوم تھے یا ایجاد ہوئے اُن کا اختیار کرنا اس قدر دشوار تھا کہ انسان راہِ بہشت کی منزلیں طے نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ بات ضرب المثل ہو گئی تھی کہ بہشت کا رستہ پُر خار ہے۔ اس امر کا بیان کرنا سری کرشن کے حصہ میں آیا کہ نجات راحت دائمی اور مسرت روحانی کا حاصل کرنا بالکل سہل ہے جس قدر آسانی سے پانی اور ہوا دستیاب ہوتے ہیں ویسے ہی یہ چیزیں بھی سہل الوصول ہیں جس حبیب مطلق نے انسان کی زندگی کے لئے ہوا اور پانی ہر جگہ مہیا کر دیئے ہیں اُسی نے نجات کے طریقے بھی آسان رکھے ہیں۔ پس حصول نجات کے لئے اپنے طریقہ سے تجاوز کرنا اور دشواریاں ناممکن مسالک کا اختیار کرنا ضرور نہیں۔ صرف اپنے فرائض کا ادا کرنا ہی کافی ہے اور اسی سے نجات ہو جائے گی۔

یہ سری کرشن کی انوکھی اور اعلیٰ تعلیم تھی اور ان کا فرمان واجب الاذعان یہی تھا کہ "اپنے فرائض ادا کرو" مگر وہ خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہوں۔ اُن کی پرماتما حیات کا ہر فعل خالص اور پاک تھا اور جو کام وہ کرتے تھے اُس میں کچھ نہ کچھ نیکی ضرور ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ پانڈو کے ہاں ان کا اکلوتا پوتا مردہ پیدا ہوا اور سری کرشن سے اس کے قالب میں تازہ روح پھونکنے کی التجا کی گئی تو اُس وقت اُنھوں نے فرمایا "میں نے عمر بھر میں کوئی بُرا اور ناپاک کام نہ کیا ہو تو یہ بچہ زندہ ہو جائے" بچہ فوراً زندہ ہو گیا۔

انسانی فرائض ہمیشہ کسی نہ کسی شرط سے مشروط ہوا کرتے ہیں اپنے چچازاد بھائیوں کو اُن کے واجبی حقوق عطا کرنا درجودھن کا فرض تھا۔ وہ ادائے فرض میں قاصر رہا۔ تو اپنے استحقاق کے لئے جنگ کرنا پانڈو کا فرض ہوا۔ اور فتحیابی کی تدابیر سوچنا بھی ان کا فرض تھا۔ جنگ کو روکنا درجودھن کا فرض تھا۔ اور جنگ میں فتحیاب ہونا ارجن کا فرض تھا۔ مگر انسان کو اپنے لازمی اور سچے فرائض کی تمیز کیونکر ہو؟ سری کرشن نے فرمایا "حصول علم اور مناسب تعلیم سے یا گنجینۂ خرد عقلائے قدیم یعنی شاستروں کے مطالعے سے۔ اور فرمایا کہ اپنے فرائض خواہ وہ کچھ ہی ہوں ادا کرو اور اُن کے بُرے بھلے ہونیکا خیال نہ کرکے اُن کا ادا کرنا ہی واجب جانو۔

یہ تو مانا کہ ہمارے افعال (ادائے فرائض ذاتی) کا اثر لازوال اور مستحکم عالم برزخ پر کچھ بھی نہیں پڑتا اور یہ عالم خواب کے افعال ہیں جب تک ہم اپنی ہستی کو محسوس کرتے ہیں۔ یہ افعال ہم کو دنیا میں مصیبت زدہ رکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ امر بھی قرین قیاس ہو کہ یہی افعال ہم کو ابدالدہر تک خراب و خستہ رکھیں گے۔ مگر ان کی ایذا رسانی۔ اور پُر درد تاثیرات کس طرح دور ہوں؟ سری کرشن نے فرمایا "تمہارا ہر فعل خواہشات نفع ذاتی سے پاک ہو۔ تم کبھی نتیجہ اخیر پر نظر نہ رکھو۔ اور اپنے افعال کا اجر یا صلہ ملنے کی تمنا نہ کرو"!

اپنی جملہ تعلیمات کا مطلب سری کرشن نے چند الفاظ میں یوں سمجھایا ہی "جو بشر اپنے افعال کا ثمرہ پانے کی آرزو نہ رکھکر فرائض منصبی ادا کرتا ہی وہی زاہد و عابد ہی"! یہ قول ظاہر کرتا ہی کہ تم کو بلا ارادہ اور خواہش ذاتی کے کام کرنا چاہیے۔ مگر ارادہ بلا خواہشات و اغراض کے ہو نہیں سکتا۔ اگر یہ ممکن ہو سکے تو تمہارے لیے اس طرح کام کرنے سے نیک و بد عذاب و ثواب کچھ نہ ہوگا۔ انھوں نے خود فرمایا کہ افعال مجھے ناپاک نہیں بناتے کیونکہ مجھے ان کا ثمرہ حاصل کرنے کی خواہش نہیں۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم فرائض ادا کریں لیکن ہمارے افعال اولاً اغراض و خواہشات سے مبرا ہوں اور ثانیاً نیک و اطہر ہوں۔ مگر ایسے افعال کون شخص کر سکتا ہی۔

"وہ شخص جس کا دل (جو عالم مثال کی ماہیت کا مرکز ہی) مُردہ ہو گیا ہی۔ جو اس ظاہری دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کرکے اصلی دنیا کا مشاہدہ کرتا ہی۔ جو مغالطہ کے خواب سے بیدار ہو گیا ہی"! اُس کے نزدیک جملہ افعال بلا نتائج یا خواب و خیال کی مانند ہیں۔ وہ شخص مثل ایسے آسمان کے ہی جو ہر گھڑی مختلف جھلکیاں دکھاتا۔ نئی نئی شکلیں اختیار کرتا۔ اور طرح طرح کے رنگ بدلتا ہی۔ مگر کسی حالت سے متاثر نہیں ہوتا۔

گیتا میں بیان کیا گیا ہی کہ جب سری کرشن کی تمام بحث و حجت ارجن پر عالم مثال کا کذب اور بے ثباتی ثابت کرنے میں بے اثر ثابت ہوئی اور اس باب میں ان کے مساعی مشکور نہ ہوئے تو مجبور ہو کر انھوں نے عالم برزخ کا مشاہدہ کرایا جس کو دیکھ کر ارجن کے دل سے مغالطہ دور ہوا اور فوراً اس دنیا کا غیر حقیقی ہونا اُس کی سمجھ میں آگیا۔

بلا خواہش و آرزو کام کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنے افعال کو غیر موثر بنائیں یعنی اُن میں اغراض و مقاصد دلی نہ ہوں۔ بیشک عالم مثال کا مغالطہ اور اُس کی پیدا کی ہوئی خودی اور خود بینی دور کرنے کا یہ نہایت آسان طریقہ ہی۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مغالطہ سے شخصیت پیدا ہوتی ہی اور شخصیت سے فعل۔ پس اگر ہمارے افعال سے نتائج نہ پیدا ہوں تو اُن سے آیندہ بھی افعال مستخرج نہ ہوں گے۔ یوں اُنکا خاتمہ ہو جائے گا۔

لیکن یہ کیونکر ہو سکتا ہی؟

ہم فرداً فرداً افعال انسانی کا معائنہ کریں تو ہم بالامکان کوئی فعل ایسا نہ پائیں گے جس کے ساتھ کوئی غرض یا لگی ہو۔ یہ غرض خواہ کسی نتیجہ کے لئے خواہ کسی ثمرہ کے واسطے ہوگی۔ اصدار فعل بغیر بانی ضمیر کے ناممکن ہی جب تک دل قائم ہی اغراض و خواہشات اُس میں ضرور ہونگی۔ سری کرشن بار بار فرماتے ہیں "جو فعل تمہیں پسند ہو وہ کرو مگر اُس کے نتیجہ کی خواہش نہ کرو"۔ گویا در پردہ اُن کا یہ منشا ہی کہ ہم اپنے دل کو فنا کر دیں کیا درحقیقت یہ ممکن ہی؟

یہ امر آسان نہیں ہی کہ بلا کسی غرض یا بغیر اپنے افعال کا ثمرہ پانے کی خواہش کے ہم کوئی کام کر سکیں۔ سری کرشن فرماتے ہیں "اپنے فرائض ادا کرو مگر اُن کے ادا کرنے سے کوئی فائدہ اُٹھانے کی خواہش نہ کرو"۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہی؟ سری کرشن نے جواب دیا "مغالطہ دور کرنے سے" اور اُس کے اُنھوں نے چار جداگانہ طریقے بیان فرمائے۔

۱۔ مراقبہ یعنی دھیان

۲۔ ریاضتہائے جوگ

۳۔ استقلال عشق الٰہی

۴۔ ادائے فرائض بلا اغراض و خواہش

الفاظ ذیل میں سری کرشن اپنی تعلیمات کو مجملاً بیان کرتے ہیں: "تم ثابت قدمی سے میری جانب (اول سے آخر تک گیتا میں سری کرشن نے اپنی ذات قدسی صفات کو خدائے عزوجل قرار دیا ہی) اپنے خیالات کو رجوع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے تو سخی عشق و عبادت سے میری قربت حاصل کرو۔ عشق میں ثابت قدم نہ رہ سکو تو ادائے فرائض میں سرگرم رہو۔ سخی عشق سے علم بہتر ہی۔ علم پر مراقبہ یعنی تصور کو ترجیح ہی۔ اور تصور پر ترک خود غرضی یا خواہشات نفسانی کو فضیلت ہی۔ کیونکہ اُس سے روح کو کامل آزادی حاصل ہوتی ہی"۔ اُنھوں نے روح کی کامل آزادی کے لئے ذیل کے چار طریقے اس ترتیب سے بتائے ہیں۔

اول افعال بلا خواہشات نفسانی (فرائض)	دوم مراقبہ یا تصور (سمادی)
سوم ریاضتہائے جوگ	چہارم استقلال عشق الٰہی

ان سب میں اُنھوں نے افعال یا فرائض کو فائق قرار دیا ہی۔ مگر یہ افعال ایسے ہوں جن کے ادا کرنے میں اغراض و مقاصد کچھ نہ ہوں۔

مراقبہ (تصور) ریاضتہائے جوگ اور عشق الٰہی کی تحصیل آسان نہیں ہے جو شخص ان تینوں طریقوں کے ذریعہ سے نجات چاہتا ہے اُسے ترک دنیا کر کے عزلت نشینی اختیار کرنی ہوگی - اور وہاں اُسے سخت نفس کشی کرنی اور سختی اٹھانی پڑیگی - اسقدر مجاہدہ اور ریاضت کے بعد بھی شاید ہزار میں ایک کو کامیابی ہو تو ہو لیکن بلا خواہشات نفسانی فرائض کا ادا کرنا اسقدر دشوار نہیں ہے - اسے ہر مرد و زن ہر طبقہ کی ہر حالت میں کر سکتا ہے - لیکن اس کی انجام دہی کیونکر ممکن ہے ؟

ہاں دل کی یکسوئی سے یہ عقدہ حل ہو سکتا ہے - سری کرشن نے ایک شے کی طرف ارجاع دل کے چند ذرائع بیان فرمائے ہیں جن میں سے زہد و طاعت الٰہی کو ترجیح دی ہے - زہد و طاعت کی دولت عشق الٰہی سے حاصل ہوتی ہے - یعنی اول اول انسان کو چاہئے کہ قدرت کاملہ اور قدرتی اشیاء سے عشق کرے پھر اس سے تجاوز کر کے خالق قدرت کاملہ کی طرف رجوع کرے - فعل وہی فعل ہے جس سے صرف خدا پرستی ہو - کام وہی کام ہے جس سے خالق اکبر اور اس کی کائنات کی محبت پر مبنی ہو -

کیا یہ ناممکن ہے ؟ سری کرشن نے جواب دیا "نہیں" - اب ہم یہاں ایک نظیر سے اُن کے الفاظ کی تشریح کرتے ہیں - عساکر برطانیہ کے سپاہی جنگ میں لڑتے ہیں تو خود بھی مارے جاتے ہیں اور اُن کو بھی قتل کرتے ہیں مگر یہ کام وہ بغیر کسی خواہش یا مطلب کے کرتے ہیں - وہ صرف اپنے جنرل کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں بلکہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ہم کرتے کیا ہیں - وہ حرکت کرتے کوچ کرتے - دوڑتے اور بندوقوں سے فیر کرتے ہیں - لیکن نہیں جانتے کہ یہ باتیں کس غرض سے کیجاتی ہیں - وہ کٹھ پتلیوں کی طرح جنرل کے ہات میں ہوتے ہیں - جو کچھ حکم ملتا ہے اُس کی تعمیل کرتے ہیں - اور اُس کی بجا آوری ہی اپنا فرض سمجھتے ہیں - جنھیں وہ قتل کرتے ہیں اُن میں اکثر اُن کے عزیز و یگانے بھی ہوتے ہیں - اُن کی زندگی اُن کی خواہشات اُن کے اغراض و مقاصد سب اُن کے جنرل کے اختیار میں ہوتے ہیں - وہ جانتے ہیں کہ جنرل کے حکم کی متابعت میں جو کچھ ہم کرتے ہیں اس سے ہماری فلاح ملک کی رفاہ اور مقدمہ جنگ کی بہتری متصور ہے - غرض ان کا دل اُن کا نور ایمان اور جملہ چیزیں اُن کے جنرل کے ہات میں ہوتی ہیں -

اس نظیر سے واضح ہے کہ بلا خواہش و اغراض کام کرنا ناممکن نہیں ہے مگر یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کسی دوسرے پر پورا بھروسہ ہو جاوے - اگر ہم کو یہ معلوم ہو جاوے کہ ہم اپنے کردار کے جوابدہ نہیں ہمارا بھی کوئی جنرل ہے جس کے حکم کے بموجب ہم عمل کرتے ہیں اور وہی ہمارے افعال کا ذمہ دار ہے - ہم کو بذاتہٖ کسی امر میں غور و خوض

محسوس کرتا ہے کہ ان تمام قدرتی اشیا میں ایک غیر ممکن الادراک روح کی موجودگی معلوم ہوتی ہے اور اسکی برتری و عظمت کے مقابلہ میں اسکو اپنی ہستی محض ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ جب وہ قدرت کاملہ اور اپنی ہستی کا موازنہ کرتا ہے تو غیر محدود قدرت خالق میں وہ اپنے آپ کو ایک ذرہ کی مثال پاتا ہے یوں تمام اسکا کبر و غرور دور ہو کر رفتہ رفتہ اُسے ظاہر ہونے لگتا ہے کہ میں نہایت ضعیف و کمزور ہوں بلکہ درحقیقت کچھ بھی نہیں ہوں۔

ایک جانب کمزور بلکہ نہایت ہی کمزور انسان ہے اور دوسری جانب قوی بلکہ نہایت ہی قوی روح ہے۔ ایک طرف بے بسی اور کمزوری دوسری طرف بے انتہا طاقت کی شہ زوری۔ اس حالت میں انسان اپنے آپکو پاتا ہے تو فوراً قدرتی کی روح سے حفاظت و اعانت کی التجا کرتا ہے اور اسکا مطیع و منقاد ہو جاتا ہے۔ جیسے بچہ کو اپنی کمزوری اور اپنے والدین کی طاقت محسوس ہوتی ہے تو وہ انکا آسرا لیتا ہے اور ہر کام میں سہارا ڈھونڈتا ہے اسی طرح انسان فقط اسی وقت کسی طاقت پر بھروسہ اور انحصار کر سکتا ہے جب اُسے اپنی کمزوری اور بیچارگی معلوم ہو جائے۔

پس ثابت ہو گیا کہ قدرت کاملہ کی قدر شناسی کیواسطے انسان کو تربیت کی ضرورت ہے۔ قدرت کی قدردانی سے قدرت کا عشق اور قدرت کے عشق سے قدرتی اشیا میں کسی برتر روح کا احساس ہوتا ہے۔ اس برتر روح کی موجودگی سے انسان اپنا ضعف و انحطاط اور روح مذکور کی برتری و عظمت دریافت کرتا ہے اور اپنی بیچارگی اور کمزوری کے علم سے اُسے خدا پر انحصار ہو جاتا ہے۔

اب ہم اپنے دلائل کی توضیح کیلئے مدارج بالا کو اس ترتیب سے جسمیں انکی تحصیل ہونی چاہئے سلسلہ وار ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) تعلیم (۲) تربیت سے ان دونوں سے (۱) "قدرت کاملہ کی قدر شناسی" کا مادہ پیدا ہوگا اور اُس سے (۱) "عشق قدرت کاملہ" اور (۲) "خدا پر انحصار" پیدا ہو کر انسان میں ذیل کے کاموں کی قابلیت پیدا ہوگی۔

(۱) اصدار فعل بلا خواہش و طمع نفسانی (فرائض ذاتی)

(۲) ادائے فرائض بلا خواہشات نفسانی (۳) علم فرائض ذاتی و لازمی۔

امور مصرحۂ بالا سے حسب ذیل نتائج مستخرج ہوں گے۔

(۱) افعال بلا خواہشات نفسانی سے نتائج پیدا نہ ہوں گے۔

(۲) افعال بے نتائج سے افعال کا خاتمہ ہوگا (۳) ان افعال سے آیندہ افعال پیدا نہ ہوں گے۔

(۴) فعل پر انسان کی ظاہری ہستی منحصر ہے۔ پس فعل موقوف ہونے سے ہستی فنا ہو جائیگی۔

(۵) مگر انسان دراصل غیر مبدل و غیر فانی ہے۔ لہذا صرف ظاہری ہستی فنا ہوگی اور انسان باقی رہیگا۔

یوں اپنے آپ کو وہ سچی ہستی میں پائیگا اور مغالطہ دور ہو کر وہ محفوظ و مصئون ہو جائیگا۔ اب وہ ہندوؤں کے عقیدہ کے بموجب خدا یا بودھ مذہب کے بزرگوں کی سمجھ کے مطابق بودھ یا مسیحیوں کے عقائد کے موافق عیسیٰ۔ اور اہل اسلام کے ایمان کی رو سے فنا فی اللہ ہو گیا

یہاں ہم سری کرشن کی تعلیمات کا خلاصہ لکھتے ہیں۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ انسان مغالطہ اور مغالطہ کی پیدا کی ہوئی تکالیف سے نجات پانے کے لیئے ذیل کے تین طریقے اختیار کرے۔

(۱) قدرت کاملہ اور قدرتی اشیاء کا عشق۔

(۲) فرائض جاننے کے لئے تحصیل علم (۳) افعال یعنی ادائے فرائض بلاخواہشات نفسانی۔

علم سے معلوم ہوگا کہ کن فرائض کا ادا کرنا ضروری ہے۔ عشق الہی سے خدا پر اعتقاد ہوگا۔ خدا پر اعتقاد ہونے سے ادائے فرائض میں خواہش نفسانی پیدا نہ ہوگی مگر یہ امر آسان نہیں ہے۔ اپنے جنرل کے احکام کی تعمیل کرنیکے لیئے سپاہی کو کئی سال تک فوجی قواعد سیکھنی پڑتی ہے۔ اسی طرح پہلے انسان کو مدت مدید تک تربیت کے زیور سے اپنی روح آراستہ کرنی چاہیئے جب کہیں خدا کے کامل اعتقاد کا نور اُس کے چہرہ سے نمایاں ہوگا۔ قصد اور ارادہ شرط ہے۔ کوشش بلیغ کامیابی کے لیئے ضرور ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اکتساب علم و عشق میں بہت بڑا حصہ بنی نوع انسان کا قاصر رہیگا اور اپنے فرائض بلاخواہشات نفسانی ادا نہ کرسکیگا۔ سری کرشن نے فرمایا "جب کبھی ادائے فرائض میں سستی اور کمی واقع ہوتی ہے اور دُنیا میں فسق و فجور حد سے گزر جاتا ہے تو میں (خدا) نیکیوں کی پناہ دہی اور بدوں کی بربادی کے لیئے پھر پیدا ہوتا ہوں۔

ہمکو سری کرشن کی تعلیمات سے معلوم ہوا کہ انسان ایک پوشیدہ لازوال مستحکم غیر متبدل اور خوش حال عالم کا جزو ہے۔ یہ پوشیدہ عالم اُس کی نظر سے غائب ہے یعنی گو وہ اس میں رہتا ہے مگر خواب غفلت اُس پر طاری ہے ؎

تھا تو یہ خاک مگر کان میں کچھ غفلت نے
ایسی پھونکی کہ ہوا میں یہ بشر آہی گیا

یہ غفلت کا خواب عالم مثال ہے جس میں ہر قسم کی مصیبتیں اور کلفتیں ہیں۔ انسان اس عالم رویا میں بہت سی حیات و ممات دیکھتا ہے۔ اس لیئے اس کو لازم ہے کہ حصول مسرت و نجات کے لیئے خواب سے بیدار ہو کر اصلی ہستی کا مشاہدہ کرے۔ سیچے جائے قیام عالم برزخ کو تلاش کرے اور مغالطہ کے دام سے رہا ہو۔ مغالطہ دور کرنے کے چار طریقے ہیں۔ اول استغراق مراقبہ۔ دوم تیاگ یا منتھلائے جوگ۔ سوم استقلال عشق الہی۔ چہارم ادائے فرائض بلاخواہشات نفسانی۔ ان میں فرائض کو سب پر فوق ہے۔ خدا پر پورا بھروسہ کرنے سے افعال بلاخواہشات سرزد ہوتے ہیں۔ یہی ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان اس طور پر عمل کرسکتا ہے۔ اگر اصدار افعال میں خواہش

محسوس کرتا ہی کہ ان تمام قدرتی اشیا میں ایک غیر ممکن الادراک روح کی موجودگی معلوم ہوتی ہی اور اُسکی برتری و عظمت کے مقابلہ میں اسکو اپنی ہستی محض ہیچ معلوم ہوتی ہی۔ جب وہ قدرت کاملہ اور اپنی ہستی کا موازنہ کرتا ہی تو غیر محدود قدرت خالق میں وہ اپنے آپ کو ایک ذرہ کی مثال پاتا ہے یعنی تمام اُسکا کبر و غرور دور ہو کر رفتہ رفتہ اُسے ظاہر ہونے لگتا ہی کہ میں نہایت ضعیف و کمزور ہوں بلکہ درحقیقت کچھ بھی نہیں ہوں۔

ایک جانب کمزور بلکہ نہایت ہی کمزور انسان ہی اور دوسری جانب قوی بلکہ نہایت ہی قوی روح ہی۔ ایک طرف بے بسی اور کمزوری دوسری طرف بے انتہا طاقت کی شہ زوری۔ اس حالت میں انسان اپنے آپکو پاتا ہی تو فوراً قدرت کی روح سے حفاظت و اعانت کی التجا کرتا ہی اور اُسکا مطیع و منقاد ہو جاتا ہی۔ جیسے بچہ کو اپنی کمزوری اور اپنے والدین کی طاقت محسوس ہوتی ہی تو وہ اُنکا آسرا لیتا ہی اور ہر کام میں سہارا ڈھونڈتا ہی اسیطرح انسان فقط اسی وقت کسی طاقت پر بھروسہ اور انحصار کرسکتا ہی جب اُسے اپنی کمزوری اور بیچارگی معلوم ہو جائے۔

پس ثابت ہو گیا کہ قدرت کاملہ کی قدرشناسی کیواسطے انسان کو تربیت کی ضرورت ہی۔ قدرت کی قدردانی سے قدرت کا عشق اور قدرت کے عشق سے قدرتی اشیا میں کسی برتر روح کا احساس ہوتا ہی۔ اس برتر روح کی موجودگی سے انسان اپنا ضعف و انحطاط اور روح مذکور کی برتری اور عظمت دریافت کرتا ہی اور اپنی بیچارگی اور کمزوری کے علم سے اُسے خدا پر انحصار ہو جاتا ہی۔

اب ہم اپنے دلائل کی توضیح کیلئے مدارج بالا کو اس ترتیب سے جسمیں اُنکی تحصیل ہونی چاہئے سلسلہ وار ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) تعلیم (۲) تربیت سے ان دونوں سے (۱) "قدرت کاملہ کی قدرشناسی" کا مادہ پیدا ہوگا اور اُس سے (۱) "عشق قدرت کاملہ" اور (۲) "خدا پر انحصار" پیدا ہو کر انسان میں ذیل کے کاموں کی قابلیت پیدا ہوگی۔

(۱) اصدار فعل بلا خواہش و طمع نفسانی (فرائض ذاتی)

(۲) ادائے فرائض بلا خواہشات نفسانی (۳) علم فرائض ذاتی و لازمی۔

امور مصرحۂ بالا سے حسب ذیل نتائج مستخرج ہوں گے۔

(۱) افعال بلا خواہشات نفسانی سے نتائج پیدا نہ ہوں گے۔

(۲) افعال بے نتائج سے افعال کا خاتمہ ہوگا۔ (۳) ان افعال سے آیندہ افعال پیدا نہ ہوں گے۔

(۴) فعل پر انسان کی ظاہری ہستی منحصر ہی۔ پس فعل موقوف ہونے سے ہستی فنا ہو جائیگی۔

(۵) مگر انسان دراصل غیر مبدل اور غیر فانی ہی۔ لہذا صرف ظاہری ہستی فنا ہوگی اور انسان باقی رہیگا۔

یوں اپنے آپ کو وہ سچی ہستی میں پائیگا اور مغالطہ دور ہو کر وہ محفوظ و مصئون ہو جائیگا۔ اب وہ ہندوؤں کے عقیدہ کے موجب خدا بودھ مذہب کے بزرگوں کی سمجھ کے مطابق بودھ مسیحیوں کے عقائد کے موافق عیسیٰ۔ اور اہل اسلام کے ایمان کی رو سے فنا فی اللہ ہو گیا

یہاں ہم سری کرشن کی تعلیمات کا خلاصہ لکھتے ہیں۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ انسان مغالطہ اور مغالطہ کی پیدا کی ہوئی تکالیف سے نجات پانے کے لیئے ذیل کے تین طریقے اختیار کرے۔

(۱) قدرت کاملہ اور قدرتی اشیاء کا عشق۔

(۲) فرائض جاننے کے لئے تحصیل علم (۳) افعال یعنی اداے فرائض بلاخواہشات نفسانی۔

علم سے معلوم ہوگا کہ کن فرائض کا ادا کرنا ضروری ہے۔ عشق الٰہی سے خدا پر اعتقاد ہوگا۔ خدا پر اعتقادؔ ہونے سے اداے فرائض میں خواہش نفسانی پیدا نہ ہوگی مگر یہ امر آسان نہیں ہے۔ اپنے جنرل کے احکام کی تعمیل کرنیکے لیئے سپاہی کو کئی سال تک فوجی قواعد سیکھنی پڑتی ہے۔ اسی طرح پہلے انسان کو مدت مدید تک تربیت کے زیور سے اپنی روح آراستہ کرنی چاہیئے جب کہیں خدا کے کامل اعتقاد کا نور اُس کے چہرہ سے نمایاں ہوگا۔ قصد اور ارادہ شرط ہے۔ کوشش بلیغ کامیابی کے لیئے ضرور ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اکتساب علم و عشق میں بہت بڑا حصّہ بنی نوع انسان کا قاصر رہیگا اور اپنے فرائض بلاخواہشات نفسانی ادا نہ کرسکیگا۔ سری کرشن نے فرمایا ہے۔ جب کبھی اداے فرائض میں سُستی اور کمی واقع ہوتی ہے اور دُنیا میں فسق و فجور حد سے گزر جاتا ہے تو میں (خدا) نیکیوں کی پناہ دہی اور بدوں کی بربادی کے لیئے پھر پیدا ہوتا ہوں۔

ہمکو سری کرشن کی تعلیمات سے معلوم ہوا کہ انسان ایک پوشیدہ لازوال مستحکم غیر متبدل اور خوش حال عالم کا جزو ہے۔ یہ پوشیدہ عالم اُس کی نظر سے غائب ہے یعنی گو وہ اس میں رہتا ہے مگر خواب غفلت اُس پر طاری ہے ؎

تھا تو یہ خاک مگر کان میں کچھ غفلت نے
ایسی پھو کی کہ ہوا میں یہ بشر آ ہی گیا

یہ غفلت کا خواب عالم مثال ہے جس میں ہر قسم کی مصیبتیں اور کلفتیں ہیں۔ انسان اس عالم رویا میں بہت سی حیات و ممات دیکھتا ہے۔ اس لیئے اس کو لازم ہے کہ حصول مسرت و نجات کے لیئے خواب سے بیدار ہوکر اصلی ہستی کا مشاہدہ کرے۔ سچے جائے قیام عالم برزخ کو تلاش کرے اور مغالطہ کے دام سے رہا ہو۔ مغالطہ دور کرنے کے چار طریقے ہیں۔ استغراق مراقبہ۔ ریاضت یا جوگ۔ استقلال عشق الٰہی۔ اداے فرائض بلا خواہشات نفسانی۔ ان میں فرائض کو سب پر فوق ہے۔ خدا پر پورا بھروسہ کرنے سے افعال بلاخواہشات سرزد ہوتے ہیں۔ یہی ایسا ذریعہ ہے جس سے انسان اُس طور پر عمل کرسکتا ہے۔ اگر اصدار افعال میں خواہش

نفسانی نہو تو وہ غیر موثر ہوں گے اپنے آپ صادر ہونے والے افعال آیندہ کوئی مستقل نتیجہ پیدا کرینگے
بے غرضانہ عامل ہونے سے انسان کو کچھ برائی بھلائی محسوس نہ ہوگی۔ کیونکہ دل ہی محسوسات اور معلومات
کا مبدا ہی۔ بلاخواہش عمل کرنے سے انسان کو دو باتیں معلوم ہوں گی۔ اول یہ کہ اُس کا دل مُردہ ہوگیا
دوسرے یہ کہ اُس کے افعال سے نتایج مستخرج نہیں ہوتے۔ اور اُن سے آیندہ افعال ظہور پذیر ہو کر اُن
کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ یوں افعال کے مسدود ہونے سے اُس کی عالم مثال والی موہوم ہستی فنا ہوجائے
گی اور وہ اپنے آپ کو عالم برزخ کی اصلی اور سچی ہستی میں پائے گا۔ عالم برزخ کی حقیقت دریافت کرنی انسان
کے علم و امکان سے باہر ہے۔ ہندوں کا عقیدہ ہے کہ یہی ناممکن الادراک دُنیا ملک خدا ہے۔ جب
انسان اس دُنیا میں پہنچ جاتا ہے تو فنا فی اللہ ہوجاتا ہے۔ اس سے انسان کا ظاہری جسم فنا نہیں ہوتا
کیونکہ عالم برحق ہے مگر جیسا ہم اُس کو اپنی خیالی ہستی میں مشاہدہ کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ گو ہمارا جسم اور دنیا
قائم رہیں۔ تاہم ہم مغالطہ کے دام سے آزاد ہو کر ان چیزوں کو کسی دوسری شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن
یہ شکل صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہی نہ بیان ہوسکتی ہی نہ قیاس و گمان میں آسکتی ہی۔

ارجن نے یہ تمام پند و موعظت سری کرشن کی زبان فیض ترجمان سے سنکر کہا "اے واقف
اسرار غیب آپکی عنایت سے میرا مغالطہ رفع ہوگیا اور عقل و ہوش درست ہوگئے" ہم امید کرتے ہیں کہ ان
تعلیمات کے مطالعہ سے ہمارے ناظرین کا مغالطہ بھی دور ہوجائے گا۔

آمین

سوانح عمری

سدّھارتھ گوتم بُدھ

ہرے بھرے درخت کے سایہ میں زمانے کی نامعلوم رفتار سے سری کرشن کی وفات کو ایک ہزار برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ نیرنگی زمانہ نے دُنیا کا رنگ بدل دیا۔ نئی بساط بچھی نئے مُہرے جمے۔ اگلے طاقتور شاہی خاندانوں کا پتہ نہ رہا۔ ملکوں سلطنتوں اور قوموں کا نام و نشان مٹ گیا۔ زمین و آسمان بدل گئے۔ پُرانے شہروں کے آثار و نشانات تبدیل ہو کر نئی بستیاں بس گئیں۔ سرسبز اور زرخیز ممالک اُجڑ کر ویرانے بن گئے۔ دریاؤں کے دھارے اپنی جگہ سے میلوں کوسوں ہٹکر بہنے لگے۔ کٹورے کی طرح جھلکتی ہوئیں لمبی چوڑی جھیلیں چشمۂ آفتاب کی مانند خشک ہو گئیں الغرض، ہزار بارہ سو برس اُدھر جو ہند کا زمانہ سری کرشن نے ملاحظہ فرمایا تھا وہ اب نہ رہا تھا۔ نہ وہ مرد و زن باقی تھے جن کو انھوں نے اپنا مذہب تلقین کیا تھا۔

اِسقدر تغیر تبدل پر بھی شکر کا مقام ہے کہ ہندوستان کی تہذیب و شائستگی پر زمانہ کا ظالم ہات نہ پہنچا تھا۔ علم و ہُنر کی ترقی کے رستے مسدود نہ ہوئے تھے۔ گو گردشِ ایام بہت جلد جلد ہر چیز کا رنگ بدل رہی تھی مگر تربیت و شائستگی دولت و عظمت میں دن دونی رات چوگنی افزائش ہوتی گئی۔ البتہ سری کرشن کے اعلیٰ اُصول دینی قریب قریب فراموش ہو گئے تھے اور جو رستہ بہشت و نجات کا اُنھوں نے بتا دیا تھا اُس سے آوارہ ہو کر خلق خدا دشتِ گم شدگی میں پڑی پھرتی تھی۔

تاہم۔ لوگ سری کرشن کو نہ بھولے تھے۔ اُنھیں خدا کا اُوتار کہتے تھے۔ ہر گاؤں ہر قصبہ بلکہ ہر گھر میں اُن کی پرستش ہوتی تھی۔ ہاں اُن کی تعلیمات اور کارہائے نمایاں فراموش ہو گئے تھے اور روحانی

خوشی حاصل کرنیکا طریقہ جسکو اُنھوں نے بڑی توضیح کے ساتھ بیان فرمایا تھا یاد نہ رہا تھا۔ اسوقت لوگ اُنھیں خدا مان کر اُن کی پرستش کرتے تھے اور اُن کا یہ عقیدہ جم گیا تھا کہ صرف اِس قسم کی پرستش ہی ذریعہ مغفرت ہے **اتفاق** سے جہاں کہیں یہ تعلیمات باقی رہ گئی تھیں وہاں اُن میں بڑی غلط فہمیاں تھیں افعال سے کم درجہ کی قربانیاں۔ پرستشیں جاترا وغیرہ سمجھی جاتی تھیں۔ علم سے وید مقدس۔ مذہبی نظم۔ الہیات وغیرہ کی واقفیت مراد لیجاتی تھی۔ اور عشق جو اُن سب پر فائق تھا ایک قلم متروک ہوگیا تھا۔

بنی نوع انسان پھر پریشان اور تباہ حال ہوگئے اور اُن کی حالت پھر ویسی ہی ہوگئی جیسی پہلے تھی۔ لذات روحانی پر آلام نفسانی نے شب خون مارا۔ حصول نجات و راحتِ دائمی کی خواہشیں پھر بھڑک اُٹھیں۔ حرمانِ نصیبی اور محرومی طالع نے پھر گھیر لیا۔ اور کُل اعلیٰ اصول جو انسان کو ہمیشہ خرابی اور بدبختی سے بچانیکا ذریعہ تھے زمانہ کے ہاتھوں سے نیست و نابود ہوگئے۔

مگر قسامِ ازل کی رحمت بے پایاں ہے جسقدر اُس کا عالم موجودات وسیع ہے اور جو اعلیٰ درجہ کی محبت اُسے انسان کے ساتھ ہے وہ اسکے وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ انسان، خدا اور اُس کے کلام کو بھول جاتا ہے مگر وہ اُسے ہر وقت یاد رکھتا ہے لہٰذا دوسری دفعہ پھر نور الٰہی نے انسانی قالب میں جلوہ گر ہو کر وہی اُصول دینی بالتشریح سمجھائے جو بیان تو پہلے بھی کیئے جاچکے تھے مگر اُنکا مطلب لوگ خاک نہ سمجھے تھے۔

یہ اشرف اور نیک شخص جنکے پاک قالب میں اس مرتبہ نور الٰہی جنت النعیم سے آکر جلوہ گر ہوا "گوتم" تھے۔ یہ دُنیا میں بدھ کے لقب سے نامور ہوئے کج فہمی سے اکثر لوگ خیال کرتے ہیں کہ "گوتم" نے ایک نئے مذہب کے وعظ کہے جو سری کرشن کے مذہب سے بالکل مختلف تھا۔ مگر یہ صرف خیال ہی خیال ہے۔ اُنھوں نے جو کچھ کہا وہ سری کرشن کے اقوال کی تشریح ہے۔ اور اُن کے وعظ سری کرشن کے بتائے ہوئے رستے کے لیئے جو جہالت اور مذہبی تعصب کے سبب تاریک ہو رہا تھا روشن شمعیں ہیں۔

ایک اعلیٰ درجہ کا منصف مزاج مورخ لکھتا ہے کہ "گوتم کی ولادت تربیت موت زیست ہندؤں جیسی ہوئی۔ اکثر اُن کے خاص مُرید اور بودھ مذہب کے مشہور سرگروہ برہمن تھے۔ وہ اپنے ہاں کے سنتوں کو اعزازی خطاب "برہمن" کا دیتے تھے۔ گوتم کی تربیت و تعلیم بالکل برہمنوں کے مذہب کے موافق ہوئی تھی وہ اپنے آپ کو اُس پاک روح کا مظہر تصور کرتے تھے جو قدیم زمانہ کے ایمان کی تعلیم

سے تمیز کی گئی تھی اور صرف انھیں کی نسبت دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہندوؤں میں نہایت اعلیٰ نہایت فہیم اور نہایت برتر تھے اور اُن کا مذہب ہندو مذہب کا مُرغ دست پرور تھا۔

مذکورہ بالا ایک نامی گرامی اجنبی مصنف کے الفاظ ہیں جس نے گوتم بودہ کی سوانح عمری اور تعلیمات کو عمر بھر پڑھا تھا۔ نیز ذیل کے مختصر تذکرہ اور تعلیمات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً پانسو برس پہلے بدھ مہاراج نے شہر کپل وستو میں ظہور فرمایا شہر دریائے روہنی کے کنارے بنارس سے سو میل کے فاصلہ پر گوشۂ شمال و مشرق میں واقع تھا۔ یہاں سے بہت دور پر کوہ ہمالیہ کا برفیلا سلسلہ صاف طور سے نظر آتا تھا جسکی اونچی اونچی سفید چوٹیاں آسمان سے لگی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اور قرب وجوار کی پہاڑیوں سے چھوٹی چھوٹی سیکڑوں ندیاں نکل کر مختلف سمتوں میں بہتی تھیں۔

کپل وستو ایک چھوٹی سی سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔ یہاں گوتم خاندان کی حکومت تھی۔ جسوقت کا ہم بیان کرتے ہیں اُسوقت سُدھاون گوتم قوم شاکھیہ پر حکمرانی کر رہا تھا۔ اِس بادشاہ کے دو حرم تھے مگر دونوں بیویوں سے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ تقریباً پینتالیس ۴۵ برس کے سن میں بڑی ملکہ حاملہ ہوئی بادشاہ نے خوب خوشیاں منائیں دل کھول کر زر وجواہر لٹائے۔ باردار ملکہ رواج ملک کے موافق وضع حمل کے لیئے اپنے ماں باپ کے ہاں بھیجدی گئی مگر اثناء راہ میں چند بلند درختوں کے تلے یکایک بچہ پیدا ہو گیا۔ اور ملکہ کو بچہ سمیت کپل وستو واپس آنا پڑا۔ افسوس اس بچہ کو ایک ہی ہفتہ میں ماں کی آغوش شفقت سے اجل نے محروم کر دیا۔ سوتیلی ماں نے بڑی خبر گیری کے ساتھ اپنی اولاد بنا کر پالا۔

سدھارتھ اُسکا نام رکھا اور خاندان گوتم کے اعلیٰ شہزادوں کی طرح اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت ہونے لگی۔ ہمیں گوتم کی اوائل عمری کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے چند آدمیوں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ شہزادہ ہمیشہ محلسرا کی چار دیواری میں پڑا ہوا عیش ونشاط میں مشغول رہتا ہے اور مردانہ ورزشوں سے جو شہزادگی کے زمانہ کے شایاں ہیں جی چُراتا ہے جب یہ خبر شہزادے نے سُنی تو نیزہ بازی کے میدان میں فنون سپہ گری کے ایسے کرتب دکھائے کہ دیکھنے والے دنگ رہگئے اور مخالفین کے جی چھوٹ گئے۔

انتیس ۲۹ برس کی عمر تک گوتم کے حالات معلوم نہیں۔ اسکے بعد اُنہوں نے تحصیل دینیات اور فلسفہ

کے لیئے وطن ترک کیا کہتے ہیں ایک معمولی واقعہ نے اُن کی زندگی کا رُخ زہد و عزلت نشینی کیطرف پھیر دیا۔

ایک دن وہ اپنے خادم چین کو ساتھ لیکر سیر کو اُٹھے کہ دیکھیں دُنیا کے کیا رنگ ڈھنگ ہیں پہلے ایک فرسودہ حال بُڈھا ملا۔ پھر ایک ناتواں بیمار کو دیکھا کہ ضعف کے مارے قدم قدم پر ٹھکیاں لیتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ آگے چلکر دیکھا کہ لوگ ایک جنازہ کو لیئے جاتے ہیں۔ اسکے بعد ایک فقیر صاحب باطن سے ملاقات ہوئی بڑھاپے۔ بیماری۔ اور موت کی حالتوں نے اُن کے دل پر بڑا اثر ڈالا۔ فوراً دل میں خیال پیدا ہوا کہ ایک دن مجھے بھی انہیں دشمنوں کے پنجہ میں پھنسنا ہو گا اب اُنھیں معلوم ہونے لگا کہ عالم کی بے ثباتی اور دُنیا کی ناپائداری ہیچ ہے انسان کی زندگی باوجود راحت و آرام کے مرض موت اور پیرانہ سالی کا شکار رہوتی ہے۔ ادھر بڑھاپے نے صورت دکھائی اُدھر امراض نے ہاتھ پاؤں کمزور کر کے اپنا سکہ بٹھا دیا۔ سامان راحت موجب صد زحمت ہو گیا۔ اور شمع حیات جھلملانے لگی اسکے ساتھ ہی اُنھوں نے درویش کے چہرے سے جلال اور اطمینان خاطر کے آثار نمودار ہوتے ہوئے دیکھے تو سوچنے لگے کہ اگر میں اسی طرح دُنیا کے سب جھگڑے چھوڑ چھاڑ کر یاد خدا میں مشغول ہو جاؤں تو مجھے بھی رنج و تکلیف سے نجات ملجائے۔ غرض انھیں خیالات میں غلطاں پیچاں وہ گھر کو واپس آئے۔

گوتم کی شادی ہو چکی تھی۔ اُن کی بیوی جسودھرا سے ایک صاحب جمال لڑکا بھی پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام رہل رکھا تھا۔ بادی النظر میں گوتم کے فوراً گھر سے نکل جانیکا یہی سبب معلوم ہوتا ہے کہ اُنھیں خیال ہوا کہ کچھ دنوں بعد نئے تعلقات کا توڑنا سخت دشوار ہو گا۔

آدھی رات کو اُنھوں نے اپنے خادم چین سے گھوڑا مانگا جب چین تعمیل حکم کے لیئے جا چکا تو وہ اپنی پیاری بیوی کے کمرے کے پاس گئے اور دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر جھلملاتی ہوئی شمع کی روشنی میں دیکھا کہ وہ بچہ کے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے خواب ناز میں ہیں پہلے دل میں آیا کہ بچہ کو گود میں اُٹھا کر پیار کر یں پھر سوچے کہ مبادا اسکی ماں جاگ اُٹھے تو غضب ہی ہو جائیگا۔ اسی وجہ سے اپنی بیوی کے جگانیکی بھی جرأت نہ کی اپنے باپ کا گھر بھرا پُرا اور شہزادگی کے عیش و تنعم کو چھوڑ کر نوجوان بیوی اور اکلوتے بچہ کی طرف سے مونہہ موڑا۔ سب کو خیرباد کہا اور چین کو ساتھ لیکر چل کھڑے ہوئے۔

چلتے چلتے بہت دور نکل گئے اور رستہ میں کہیں نہ ٹھہرے۔ دریائے ایومہ پر پہنچکر اپنے بیش بہا زیور اور جواہر چین کے سپرد کیئے اور کہا کہ ان کو لے کر کپل وستو کو پلٹ جاؤ۔ چین نے ساتھ چلنے اور زاہدوں کی طرح

رفاقت میں رہنے کی التجا کی مگر قبول نہ ہوئی۔ گوتم نے کہا تم جاکر میرے والد سے کل ماجرا بیان نہ کرو گے تو انھیں میرا حال کیونکر معلوم ہوگا۔ غرض اُسے نہایت مہربانی اور شفقت کے ساتھ رُخصت کیا۔ دریا اُتر کر بمدرسا کرایا اور ایک غریب آدمی سے لباس بدل کر زہد و فقر اختیار کرنیکے لیے راجگری کیطرف چلدیے

راجگری مگدھ کی سلطنت کا پایۂ تخت تھا اور ایک دلکشا وادی میں پانچ پہاڑں کے درمیان واقع تھا ان پہاڑیوں کے غاروں میں چند مشہور درویش گوشہ نشین تھے گوتم ان کے پاس گئے اور ایک "الّر" نامی درویش کے مُرید ہوگئے۔ مگر جب اس بزرگوار کی طریقت سے تسکین نہوئی تو ایک اور عابد "ادرک" نامی سے رجوع کی اور اِن دونوں فقرائے باکمال سے ہندو مذہب اور اہل ہند کا فلسفہ از اول تا آخر سیکھا۔

اس کے بعد اُنھوں نے جوگ کی ریاضتوں کی آزمائش کا قصد کیا اور اُزویل کے جنگل میں جو آجکل بُدھ گیا کے نام سے مشہور ہے چھ سال تک دردناک ریاضتیں اور سخت مشقتیں اُٹھائیں نفس کشی کرتے کرتے جسم تحلیل ہوکر کانٹا ہوگیا۔ مگر جس بات کی تمنا تھی وہ اِن ذریعوں سے حاصل نہوئی۔ جہانتک خیال دوڑایا اپنے آپ کو محرومی اور پژمردگی کا صید پایا۔ منازل فقر میں ابھی خوشی اور اطمینان خاطر کا شہر اتنا ہی دور تھا جتنا کپل دستو کے ایام شہزادگی میں۔ ہاں سخت عبادتوں اور ریاضتوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ شہرت نے نزدیک و دور سے کھینچکر چند مُرید اُنکے گرد جمع کردیئے ایک دن وہ چہل قدمی کرتے تھے ٹہلتے ٹہلتے یکایک پاؤں لڑکھڑایا اور زمین پر گر پڑے بعض عقیدتمندوں نے خیال کیا کہ مہاراج کو محبوب الہی کا وصال حاصل ہوا۔ اور انھوں نے دم توڑ دیا مگر صرف ضعف کا اثر تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ بھلے چنگے ہوگئے اُنھوں نے جب ان سخت قیود سے آئندہ کو کوئی نفع کی امید نہ پائی تو نفس کشی ترک کردی۔

اس تلون مزاجی سے مریدوں کو بڑا تعجب ہوا۔ اور معتقد پیرووں نے خیال کیا کہ ہمارے پیشوا نے جادۂ صدق و صفا سے مُنھ موڑا۔ اسلئے وہ سب گوتم کو چھوڑ بنارس چلے گئے۔

گوتم بن کی جھاڑیوں میں پڑے پھرتے تھے مگر اُن کو ہر ہر قدم پر سخت محرومی کا سامنا تھا۔ وید اور شاستروں کا مطالعہ کرچکے۔ جوگ کی دشوار اور سخت ریاضتیں اُٹھا چکے حصول کامیابی کے لیے ہر معلوم طریقے سے کوششیں کرچکے مگر افسوس جس دلی راحت کی اُنھیں آرزو تھی وہ حاصل نہوئی۔ نہ زاہدوں اور خانقاہ کے درویشوں سے مطلب نکلا۔ نہ حکما اور فلاسفہ سے کچھ مدد ملی۔ اس سچی راحت کا وجود مفقود تھا

مگر کوئی اُسکا پتہ نہ دے سکا۔

اس وقت گوتم کے دل کی عجب حالت تھی دُنیا کی کوئی چیز بھلی نہ لگتی تھی کبھی فکر کے دریا میں غوطے لگاتے کبھی مراقبے کے بحرِ ذخار میں ڈوب جاتے کبھی طبیعت کی بے اطمینانی چین نہ لینے دیتی کبھی دل کی گھبراہٹ جنگل کیطرف کھینچ لیجاتی کبھی بھوک ستاتی کبھی کم ہمتی دل کو صدمہ پہنچاتی۔ غرض ان پیچ درپیچ خیالات نے دل میں ایک سخت اُلجھن ڈال رکھی تھی۔ وہ نہیں جان سکتے تھے کہ کہاں جائیں اور کیا کریں۔ نہ اس بات کا فیصلہ کرسکتے تھے کہ آیا سلطنت کو واپس جاکر پیاری بیوی اور بچہ سے ملیں یا طوفانی بحر کی بے پتوار کشتی کی طرح اسی ڈانواں ڈول حالت میں دُنیا میں آوارہ سرگردان پھرتے رہیں

وہ اسی اُدھیڑبن میں تھے کہ یکایک ایک ناکتخدا دہقان کی لڑکی کی ان پر نظر پڑی۔ وہ چتونوں سے تاڑ گئی کہ فقیر شکستہ خاطر اور آزردہ دل ہے۔ دل میں خلقی شفقت و مہربانی کا دریا موجزن ہوا اور اُس نے گوتم کے پاس جاکر نہایت شیریں اور پیاری آواز میں دریافت کیا" مہاراج کیا آپ بھوکے ہیں؟ کیا میرے ہاتھ سے ماحضر قبول فرمائیں گے"؟ گوتم نے سر اُٹھاکر تھوڑی دیر تک اُس کو غور سے دیکھا پھر پوچھا "بہن تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے جواب دیا" مہاراج مجھے سوجات کہتے ہیں۔ گوتم نے کہا" ہاں میں بھوکا ہوں بھوک کی شدت سے بیتاب ہوں۔ اچھی بہن کیا تم میری بھوک کو تسکین دے سکتی ہو"؟

دہقان کی معصوم لڑکی خاک نہ سمجھی کہ بھوک سے گوتم کا کیا مطلب ہے۔ اور اُن کے دماغ میں کیا کیا خیالات بھرے ہیں۔ اُس نے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لاکر اُن کے آگے دھردیں اور انھیں تناول کرنے کی التجا کی۔ گوتم نے مُسکرا کر کہا" میری مہرباں سوجات کیا ان سے میری بھوک کو تسکین ہوگی؟" لڑکی نے جواب دیا" جی ہاں اُن سے آپ کی بھوک رفع ہوجائیگی"۔

گوتم ایک درخت کے سایہ میں بیٹھکر کھانا کھانے لگے۔ اور یہ درخت اُسروز سے درخت دانش کے نام سے مشہور ہوا

سوجات چلی گئی مگر وہ دن بھر اُسی درخت کے نیچے بیٹھے رہے ہم یہ بیان کرنے کی جرات نہیں کرسکتے کہ اُس وقت وہ کن خیالات میں محو تھے مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ صبح سویرے سے دن چھپے تک وہ اپنے خیالات میں مستغرق رہے جب دن ڈھلا اور دونوں وقت ملے تو واقعی اُن کی رفع ہوگئی۔ دنیوی تکالیف کا عقدہ حل ہوگیا۔ اسرار مخفی سمجھ میں آگئے اور بہشت کا رستہ معلوم ہوگیا۔ انھیں علم لدنی حاصل ہوگیا اور بودھ درجہ ملگیا۔

جو نور شہزادہ دوارکا کے قالب میں جلوہ گر ہو کر ایک بلند درخت کے سایہ میں پردۂ عدم میں پنہاں ہو گیا تھا ایک ہزار سال بعد وہی نور اُسی بلند درخت کے نیچے گوتم بدھ کے جسم میں جلوہ گر ہوا

گوتم حالت انبساط میں وجد کرتے ہوئے درخت کے نیچے سے اُٹھے اور راجگڑھی کی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ اُن کے دونوں پُرانے اُستاد انتقال کر گئے۔ وہاں سے وہ سیدھے بنارس کی طرف چلدیئے اثنا راہ میں اُنکے پُرانے دوست اُپک ملے اور یوں گفتگو ہوئی۔

اُپک۔ آہا۔ یار تم تو اچھے خاصے ہٹے کٹے ہو گئے۔ میں دیکھتا ہوں تمہاری صورت کچھ عجیب دلفریب ہو گئی ہے اور بشرے سے تم بہت مطمئن اور ہشاش بشاش معلوم ہوتے ہو۔ وہ کون سی مذہبی طریقت ہے جو تمہاری اسقدر خوشی اور آسودگی کا باعث ہوئی ہی؟

گوتم ہاں تم سچ کہتے ہو۔ میں دُنیا کی تمام اخلاقی اور روحانی طاقتوں پر قادر ہو گیا ہوں نفس امارہ کی خواہشوں پر غالب آگیا ہوں۔ اور مجھے دائمی اور ابدی راحت کے حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہو گیا ہے۔

اُپک۔ اب تم کہاں جاتے ہو؟

گوتم۔ بنارس۔

اُپک۔ کس غرض سے۔

گوتم نے اس کا جواب مشہور اشعار ذیل میں دیا۔

یہ آرزو دل میں بس رہی ہی کہ راز پنہاں جتا جتا کر	حقائق و معرفت کی راہیں ہر اک بشر کو دکھائینگے ہم
یہی ارادہ یہی ہی مقصد۔ یہی ہی منشا یہی ہی مطلب	اسی ضرورت اسی غرض سے فقط۔ بنارس کو جائینگے ہم
بہت ہیں بنی اُصول ایسے بڑی ہی ظلمت کی خاک جن پر	اُنھیں خدا کی عنایتوں سے اب آئینہ کر دکھائینگے ہم
فنا کرینگے غم فنا کو چکھائیں گے لذت بقا کو	جہان فانی کے رہنے والونکو جاودانی بنائیں گے ہم

یہ لن ترانیاں سُنکر اُپک سے رہا نہ گیا تو اس نے بات کاٹ کر کہا۔ حضرت بس اب اپنی سواری بڑھائیے آپ کا وہ رستہ ہے اور بندہ کا یہ۔ اور وہ یہ کہکر دوسری طرف کو چلتا ہوا۔

مگر اس دل شکن فقرے سے ہمارے نئے رہنما کو ذرا بھی ہراس نہ ہوا۔ وہ بیدھڑک یہاں سے بنارس کو روانہ ہوئے اور چند روز بعد شام کی گلگوں شفق کی دھیمی دھیمی روشنی میں ہرن

بَن میں جا پہنچے۔ یہ بن شہر بنارس سے جانب شمال واقع تھا۔ یہاں گوتم کے پُرانے مریدوں میں سے پانچ مرید رہتے تھے۔ مگر جس روز سے گوتم نے نفس کشی ترک کردی تھی وہ اُنھیں ایک ملحد بہتر نہ جانتے تھے۔ اور اپنا مرشد نہ کہتے تھے۔ اس لیئے اُنھوں نے گوتم کی آؤ بھگت ذرا نہ کی صرف ایک بوریا بیٹھنے کو ڈالدیا اور اُن کا نام لے لے کر اُن کی طرف خطاب کیا۔ گوتم نے کہا مجھے طریق نجات معلوم ہوگیا ہے۔ میں بُدھ ہوگیا ہوں۔ تمہیں بھی انسانی زندگی کی تکالیف اور مصائب سے بچنے کی ترکیبیں بتا سکتا ہوں۔ غرض مریدوں سے دیر تک مباحثہ اور مناظرہ ہوتا رہا اور اُنھوں نے طرح طرح کی ترغیبوں سے اُن کو اپنے مذہب میں لانے کی کوشش کی۔ بالآخر سعی مشکور ہوئی۔ پہلے پہل مسن "کندینا" ایمان لایا از اں بعد اوروں نے بھی اُن کا طریق نجات قبول کیا۔

کچھ عرصہ تک گوتم ہرن بن میں مقیم رہے۔ جو لوگ اُن کے پاس جاتے اُنھیں جدید مسائل دینی یکساں تلقین کرتے اور اس فیض رسانی میں مرد۔ عورت۔ امیر۔ غریب۔ عالم۔ جاہل۔ کسی کی تفریق نہ تھی۔ اول اول دنیا دار لوگ اُن کے مرید ہوئے جن میں دو عورتیں بھی تھیں۔ ان نئے مریدوں میں سب سے پہلا چیلا "یاس" نامی ایک امیر کبیر نوجوان تھا جس کے ساتھ اسکے ہمراہیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت بھی تھی۔ اِس کے بعد یاس کے ماں باپ اور اُس کی بیوی یہ سب بھی بودھ مذہب میں داخل ہوگئے۔ مگر یہ دنیا دار مریدوں کی طرح رہے۔

درخت دانش کے نیچے بیٹھنے سے پانچ اور ہرن بن پہنچنے سے تین مہینے بعد گوتم نے اپنے تمام مریدوں کو جن کی تعداد ساٹھ تک پہنچ چکی تھی جمع کیا اور اُن کو وعظ و تلقین اور اشاعت خوشخبری کے لیئے مختلف سمتوں میں روانہ کیا۔ فقط یاس اپنے والدین کے پاس بنارس میں رہگیا اور گوتم بھی مریدوں کی رسالت کا نتیجہ دیکھنے کے لیئے یہیں منتظر بیٹھے رہے۔

اُرویل کے جنگل میں تین بھائی رہتے تھے۔ یہ مشہور گوشہ نشین اور نامی فلسفی تھے اُن کی عام شہرت کی وجہ سے طالب علموں کا ایک انبوہ کثیر اُن کے گرد جمع ہوگیا تھا۔ اور بادشاہ و عمائد اُن کی بڑی عزت و حرمت کرتے تھے۔ گوتم بھی اُن کے پاس جا کر رہے۔ یہاں رہتے ہوئے اُنھیں تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ اُن میں سے ایک نے اُن کا مذہب اختیار کرلیا اور بھائیوں اور پیرووں نے بھی بہت جلد اس کی تقلید کی۔ اس عظیم واقعہ سے ملک میں بڑا جوش و خروش پیدا ہوگیا۔

دور دور سے لوگ جوق جوق آکر جمع ہو گئے کہ دیکھیں بودھ کس پایہ کے آدمی ہیں اور طریق نجات کی بابت اُن کی کیا رائے ہے۔ اب وہ عام طور سے اپنے مذہب پر وعظ دینے لگے اور دن بدن پیرؤں کی تعداد بڑھتی گئی۔

گوتم اپنے مریدوں کو لے کر اُرویل سے چلے اور مگدھ کی دارالسلطنۃ راجگڑھ میں آئے۔ شاہ بمبا سرنے آکر اُن کے اور اُن کے پیرووں کے قدم لیئے۔ یہاں اُنھوں نے راہ بہشت پر ایک وعظ کہا اور دکھایا کہ جنت کا دروازہ طہارت اور منزل مقصود عشق ہے۔ شاہ مذکور فوراً اس جدید طریقہ کا مقلد ہو گیا اور بہتوں نے اُس کی پیروی کی۔ دوسرے دن جب گوتم قصر شاہی اور شہر کی سیر کو تشریف لے گئے تو بیشمار آدمیوں کے اُنکے گرد ٹھٹھ لگ گئے اور سب نے اُن کے اُصول دینی اختیار کرنے کی صدق دل سے تمنا ظاہر کی۔ بادشاہ بڑے اعزاز و اکرام سے پیش آیا اور قصبہ کے قریب "ویلوبن" کی جھاڑی اُن کے رہنے کے واسطے تجویز کر دی۔ یہ مقام اس لئے مشہور ہے کہ گوتم یہاں کئی برسات کے موسموں میں مقیم رہے تھے اور بہت سے مضامین پر مباحثے ہوئے تھے۔

لیکن یہ مذہبی جوش فوری تھا۔ جسقدر سرگرمی کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا تھا ویسا ہی جلد فرو ہو گیا۔ جب گوتم کے مرید بھیک مانگنے جاتے تو اُن پر گالیوں کی بوچھار ہوتی اور لوگ اُن پر اُن کا مضحکہ اُڑاتے۔ وہ بیچارے بدنامی کے دھبے دامنوں پر لے کر واپس آتے اور جو کچھ بے اعتنائیاں اُن کے ساتھ کی جاتیں اُنھیں خاموشی سے برداشت کرتے کیونکہ کچھ چارہ نہ تھا۔

اسی عرصہ میں گوتم کے پاس اُن کے والد بزرگوار نے ایک مراسلہ بھیجا اور لکھا کہ اپنے شہر کو آؤ اور میرے آخری وقت میں ایک مرتبہ مجھے اپنی صورت دکھا جاؤ۔ گوتم یہ پیام طلب قبول کر کے کپل وستو کی جانب روانہ ہوئے۔

وہ یہاں پہنچکر شہر کے باہر ایک جھاڑی میں ٹھہرے۔ اُن کے والد بزرگوار جمیع عزیز و اقارب کو ساتھ لے کر اُن سے ملنے آئے۔ مگر اُن کے زہد و طریق مذہب سے خوش نہوئے۔ اس لیئے اُن کی جماعت کے کھانے پینے کا بھی کچھ بندوبست نہ کیا اور واپس چلے گئے۔ دوسرے دن گوتم نے شہر میں گھر گھر میں بھیک مانگنی شروع کر دی۔ بادشاہ نے یہ حال سُنا تو اُسے سخت ملال ہوا۔ فوراً

گوتم کے پاس گیا کہ انھیں اس حرکت سے منع کرے۔ اسوقت گوتم نے اپنے باپ کے روبرو اپنے دینی اصول ظاہر کئے۔ مگر اُس نے کچھ جواب نہ دیا۔ جھولی اُنکے ہاتھ سے لے لی اور اپنے ہمراہ قصر شاہی کو لیگیا۔

گوتم محل میں داخل ہوئے تو سب نے اُن کی تواضع و تکریم کی۔ مگر اُنکی بی بی اُنکے پاس نہ آئی۔ اُس نے کہا اگر اُن کی نظروں میں کچھ بھی میری وقعت ہے وہ خود ہی میرے پاس آئینگے اُسی روز سے اُس نے اپنے خاوند کو مردہ سمجھکر سب عیش و آرام ترک کردیا۔ دن بھر میں صرف ایک دفعہ معمولی کھانا کھانا اور چٹائی پر سونا اختیار کیا گوتم شہر میں آتے ہی یہ حال سُن چکے تھے۔ گو بدھ مذہب کا کوئی پیرو عورت کا چھونا اور اپنا جسم عورت کو چھونے دینا روا نہ رکھتا تھا تاہم وہ دو مریدوں کو ساتھ لیکر اپنی بیوی کے پاس گئے۔ گوتم کی بیوی نے جب انھیں زاہدانہ لباس میں اپنے پاس کھڑا ہوا دیکھا۔ وہ بے اختیار اُن کے قدموں پر گر پڑی اور زار زار رونے لگی لہذا گوتم نے فرقۂ اناث کے لیئے ایک گروہ اپنے مذہب میں قائم کیا اور اُنکی بیوی جسودھرا طریقت کے حلقہ میں آکر بودھ مذہب کی سب سے پہلی گوشہ نشین پیراگن ہوئی

پندرہ روز تک وہ کپل وستو کے قریب ایک جھاڑی میں مقیم رہے اور اپنے احبا و اقربا کی دعوتوں میں شریک ہوتے رہے۔ ایک دن گوتم کی بیوی نے اپنے بیٹے رُہل کو عمدہ کپڑے پہنا کر جب گوتم محل کے قریب سے گزر رہے تھے دریچہ سے اُسے دکھا کر کہا۔ دیکھو وہ تمہارے باپ جاتے ہیں۔ اُن کے پاس جا کر اپنے حقوق مانگو کہ میں آپ کا فرزند ہوں اپنی میراث چاہتا ہوں۔ رُہل گیا اور اپنا ورثہ مانگنے لگا اُس وقت گوتم کھانے کھانے میں مشغول تھے کچھ جواب نہ دیا۔ لڑکا بار بار اپنا ورثہ مانگے جاتا تھا مگر وہ چپ چاپ کھانا کھا کر اپنے قیام گاہ کو جھاڑی کی طرف چل دیئے رُہل بھی پیچھے پیچھے اپنا ورثہ مانگتا ہوا چلا گیا۔ گوتم نے جھاڑی میں پہنچکر ایک مرید سے کہا "بھائی میں اس لڑکے کو وہ نعمت غیر مترقبہ جو مجھے درخت دانش کے نیچے ملی ہے دیتا ہوں تم اسکو اُس دولت عظمیٰ کا والی وارث بناؤ"۔

اس اشارہ کے بموجب رُہل گروہ میں داخل کرلیا گیا۔ مگر بوڑھا بادشاہ یہ حال سُنکر نہایت مغموم ہوا کیونکہ بیٹے کی طرح سے پوتا بھی اُس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

اب گوتم نے راجگڑھی کی جانب پلٹنے کا قصد کیا۔ مگر چند روز ایک دریا کے کنارہ پر ٹھہر کر اپنے عزیز خادم جیبن کو رخصت کیا۔ بہت سے رشتہ دار اور اہلِ وطن اُن کے گروہ میں شامل ہو گئے تھے۔ اُن میں سے ہم یہاں چار شخصوں کا تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ آنند اور دیودت ان کے رشتہ کے بھائی تھے۔ اپالی۔ قوم کا نائی اور انرودھ اُن کا ہموطن تھا۔ انند تمام عمر اُن کا ہمدم ودم ساز رہا۔ دیودت اُن کا رقیب اور مدمقابل ہو گیا۔ اُپالی حجام اُن کے گروہ کا بڑا نامور پیشوا ہوا۔ اور انرودھ بودھ مذہب کی حکمت نظری کا عالم ہوا۔ موسم برسات ختم ہونے پر گوتم راجگڑھی سے چلکر سلطنت کوسل کے پایہ تخت سراوستی کو گئے۔ یہاں ایک متمول سوداگر نے ان کی بود و باش کے لئے ایک وسیع اور پُر فضا جنگل اُن کے نامزد کر دیا۔ یہ مقام بعد کو اس لیئے مشہور ہوا کہ چند برسات کے موسموں میں گوتم وہاں مقیم رہے تھے۔ اور زمانِ قیام میں وہاں بڑے بڑے مکالمے اور مباحثے ہوئے تھے۔

یہاں اُن کی رسالت کا تیسرا سال ختم ہوا۔ چوتھے سال سے چوالیسویں برس تک ہم کو اُن کے اشغال بہت کم معلوم ہیں۔ غالباً اُنھوں نے یہ زمانہ اپنے مذہب کی اشاعت وترویج میں صرف کیا ہوگا۔ اُنھوں نے اپنے گروہ کے لئے قواعد منضبط کئے اپنے فلسفہ کی پختگی اور مضبوطی کی۔ اپنے دُنیا دار مریدوں کو طہارت کی ہدایت دی اور دیگر مضامین بدیع پر وعظ دیتے رہے۔

اِن چوالیسؔ برس کے سوانح جو تھوڑے بہت ہمکو معلوم ہیں وہ متفرق حالات ہیں اور نہایت پیچیدگی کے ساتھ تمثیلی طور پر مخفی کی طرح بے سلسلہ بیان کئے گئے ہیں۔

لہٰذا ہم چوتھے سال سے بیس برس تک کے حالات ایک مشہور کتاب سے لیکر مختصر طور پر میں ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

چوتھے برس گوتم مہابن میں مقیم رہے اور ایک نٹ کو اپنے گروہ میں داخل کیا۔

پانچویں برس وہ اپنے باپ سے آخری ملاقات کرنے کپل وستو گئے۔ اُنکے بوڑھے باپ نے قضا کی وہ اُن کی نعش جلا کر مہابن کو واپس آئے۔ اُن کی سوتیلی ماں اور بیوی مع چند اور بیویوں کے اُنکے ساتھ آئیں۔ ان بی بیوں نے گروہ میں داخل ہونیکی التجا کی مگر وہ اس امر پر رضامند نہوئے آخر کار انند کے وکالتاً نہ سفارش پر انکا داخلہ منظور کیا۔ اور کنارہ کش ہو کر الہ آباد قریب ایک پہاڑی پر چلے گئے۔

چھٹے برس گوتم راجگڑھی میں واپس آئے اور بمباسر کی رانی چھما کو اپنے گروہ میں داخل کیا اُن کے ایک مرید نے معجزہ دکھایا مگر اُنھوں نے معجزہ نمائی کی سخت ممانعت کی اور کہا کہ معجزوں کو مذہب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

ساتویں برس ایک دشمن نے ایک عورت کو جس کا نام چنچا تھا اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ گوتم کو زناکاری کا اتہام لگائے مگر اُسکا فریب بہت جلد ظاہر ہو گیا۔

آٹھویں برس۔ گوتم کپل وستو کے قریب ایک پہاڑی پر ہو کر گزرے اور چند نئے آدمیوں کو اپنے مذہب میں شامل کر کے کوسمبی کو واپس گئے۔

نویں برس۔ بودہ مذہب کی جماعتوں میں شر و فساد کا ہنگامہ برپا ہوا گوتم نے امن و آسایش پھیلانیکی بہت کوشش کی مگر جب یہ عقدہ ناخنِ تدبیر سے نہ کھلا تو اُنھوں نے تنگ آکر اپنے مریدوں کو چھوڑ دیا اور خود تنہا "پارلیاک" کے جنگل کو چلے گئے۔

دسویں برس قرب و جوار کے دہقانوں نے اُن کے لئے ایک جھونپڑا تیار کیا جسمیں اُنھوں نے برسات کاٹی۔ یہاں مذہب کے سرکش زاہدوں نے اُنھیں ڈھونڈھ نکالا اور اپنے گناہوں کی معافی چاہی۔ گوتم نے گناہ معاف کئے اور اُنسے اچھی طرح پیش آئے۔ اِسکے بعد وہ اپنے نائب مریدوں کو لیکر سراوستی ہوتے ہوئے راجگڑھی پہنچے۔

گیارہویں برس۔ گوتم نے چندا ورنامی شخص مرید کئے اور مگدہ اور کوسل کے ملکوں میں وقت گزارا۔

بارہویں برس۔ گوتم نے بڑا لمبا سفر کیا اور رنتل تک جا کر بنارس ہو کر پلٹے۔ اس سفر عظیم میں جن جن مقامات میں اُن کا گزر ہوا وہاں انہوں نے وعظ دیئے۔

تیرہواں برس۔ مقام چلیا اور سراوستی میں مذہبی وعظ و تلقین میں صرف کیا۔

چودہواں برس۔ گوتم سراوستی میں رہے اور اپنے فرزند رُہل کو وعظ سُنا کر کپل وستو کیجانب روانہ ہوئے

پندرہویں برس۔ کپل وستو کے باہر ایک جنگل میں قیام کیا۔ اپنے چچازاد بھائی موہانم کو جو اُنکے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا تھا ایک مذہبی وعظ سُنایا۔ اسکے علاوہ ایک اور وعظ کہا جسمیں دکھایا کہ راستبازی کو خیرات پر فضیلت ہے۔

سولھواں برس مقام الادی میں گزرا۔

سترھویں برس۔ وہ راجگڑھی کو گئے اور وہیں برسات کا موسم گزارا۔ ایک خانگی کسبی سریمتی کی میت میں وعظ دیا۔ ابسے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جبتک بھوکے آدمی کو کھانا نہ کھلا لیتے اُسے وعظ نہ سُناتے۔

اٹھارھویں برس چلیا میں جاکر ایک جولاہے کو جسکی لڑکی اتفاقیہ مرگئی تھی پند ونصیحت کی اور برسات گزار کر راجگڑھی کو واپس آئے۔

انیسویں برس۔ گوتم نے مگدہ کے رستہ سے سفر کیا اور سب گاؤں میں وعظ کہا ایکمرتبہ ایک ہرن کو پھندے میں پھنسا دیکھکر اُسکے پاس گئے اور اُسکے آگے دوب چرنے کو ڈالی۔ شکاری بگڑا اور اُن کے مارڈالنے کے درپے ہوا۔ مگر گوتم نے اُسے اپنا وعظ سُنایا تو وہ مع اپنے خاندان کے اُنکا مرید ہوگیا۔

بیسواں برس۔ دیہات وقصبات میں مذہبی وعظ وتعلیم میں گزرا چلیلکے جنگل میں وہ ایک نامی رہزن "انگولی مل" کو اپنے لُطف وعنایت کے برتاؤ سے رہ راست پر لائے اور بودھ مذہب کا زاہد ہوجانے کی رغبت دلائی۔

بُدھ کا درجہ حاصل ہوجانیکے بعد اکیسویں برس سے لیکر بیتالیسویں سال تک ہلکو گوتم کی سالت کے حالات بالکل معلوم نہیں ہیں۔ شاید اسکا سبب یہ ہو کہ ایک سال کے حالات دوسرے سال کے سوانح سے بالکل مطابق ہوں اِسلیئے تذکرہ نویسوں نے اُنکا لکھنا مناسب سمجھکر قلم انداز کردیا ہو۔

گوتم۔ عورتوں کی بہت عزت وتکریم کرتے تھے۔ چند رواتیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستورات نے اس نئے مذہب کے لیئے اپنا جان ومال سب وقف کردیا اس نامور فرقۂ اناث میں سراوستی کی رہنے والی ایک عورت "بشاکا" نے بڑی نیک نامی کے ساتھ شہرت حاصل کی۔ اسنے ایک سایہ دار کنج اہلِ مذہب کے نذر کی اور اُنکی بود وباش کیلئے قصبۂ سراوستی کے مشرقی جانب ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔

رذیل اور فاحشہ عورتوں کی بھی گوتم کی نظروں میں ویسی ہی وقعت تھی جیسی شریف اور نیک چلن والیوں کی۔ وہ اکثر ذی رتبہ اور طاقتور عمائد کی دعوت رد کرکے عام بازاری عورتوں اور خانگی کسبیوں کی دعوتیں قبول کرلیتے تھے۔ اُمبا پلی کپیلا وستو اور مقامات میں وہ کسبیوں کے ہاں مدعو ہوئے تو شرفا میں بڑے چرچے ہوئے اور اُنہیں یہ امر سخت ناگوار ہوا۔ راجگڑھی میں ایک خانگی کسبی سریمتی کی میت

میں جاکر انہوں نے وعظ کیا۔ اسوقت لوگوں کو سخت حیرت ہوئی اور تمام مجمع میں سرگردانی اور پریشانی پھیل گئی۔ عورتوں کی اسدرجہ قدرومنزلت کرنے کی شاید یہی وجہ تھی کہ وہ دہقانی لڑکی سوجات کو نہیں بھولے تھے جسنے اُنھیں عین روحانی وجسمانی گرسنگی کیحالت میں درخت دانش کے نیچے کھانا کھلایا تھا۔ یہ الفاظ کہ "مہاراج کھانوں کو تناول فرماکر آپ سیر ہوجائیں گے" اُنکے دل سے فراموش نہ ہوئے تھے وہ الفاظ اُنکے لئے نیک فال تھے جونہی دن ڈھلا اور شام ہوئی اُنھیں بودہ کا درجہ حاصل ہوگیا۔ اس سے شاید اُنھوں نے سوجات کو ملہم غیبی سمجھا تھا اور یونہی وہ کل فرقۂ نسواں کو فرشتہ سیرت سمجھتے تھے۔ کیا نیک کیا بد کیا امیر کیا غریب کیا حسین کیا بدصورت کیا شریف کیا رذیل وہ سب کے ساتھ یکساں محبت سے پیش آتے تھے **عمل** اُنکا قول۔ بودہ مذہب کے زاہدوں کے گروہ کی تربیت۔ اُنکا شغل زندگانی انسانوں کو عمل کی پاکیزگی بتانا۔ اُن کی رسالت کا منشا اور اُنکو راہ نجات دکھانا اُنکا کام تھا۔ اب ہم ذیل میں دو روایتیں تمثیلاً درج کرتے ہیں جن سے گوتم کے وعظ کہنے کا طریقہ ظاہر ہوگا۔

روایت ہے کہ ایک جوان لڑکی کا نام کسا گوتمی تھا۔ اُسکی شادی ایک امیر کبیر کے اکلوتے بیٹے سے ہوئی تھی۔ یہ شادی اُس طرز پر ہوئی تھی جیسا کہ تم اکثر قصے کہانیوں میں پڑھ چکے ہو۔ خیر اُسکے ایک لڑکا پیدا ہوا مگر ابھی یہ پاؤں بھی نہ چلا تھا کہ طعمۂ موت ہوگیا۔ اِس جوان عورت کی مامتا کو دیکھئے کہ وہ اپنے مردہ بچہ کو کلیجے سے لگائے ہوئے اپنی مصیبت پر تاسف کرنیوالوں کے گھروں پر دوا مانگتی پھرتی تھی۔ بُدھ مذہب کے ایک زاہد نے کہا میری اچھی لڑکی جو دوا تمکو درکار ہے وہ میرے پاس تو نہیں ہے مگر میں ایک عابد کامل کو جانتا ہوں جنکے پاس اس قسم کی دوا موجود ہے۔ کسا گوتمی نے کہا آپ مہربانی کرکے بتائیے وہ کونسے عابد کامل ہیں۔ زاہد نے جواب دیا وہ دوا تمکو گوتم بدھ دیسکتے ہیں تم اُنھیں کے پاس جاؤ۔ کسا گوتمی گوتم کے پاس گئی اور قدمبوس ہوکر کہنے لگی "سوامی جی آپ کوئی ایسی دوا جانتے ہیں جو میرے بچہ کے لئے مفید ہو" گوتم نے جواب دیا "ہاں ہاں ہم جانتے ہیں۔ اُس زمانہ میں ایسا طریقہ تھا کہ جو اجزا از قسم جڑی بوٹی اطبا نسخہ میں تجویز کرتے تھے اُنھیں بہم پہنچانا خود مریض یا اُسکے تیمارداروں کا کام ہوتا تھا۔ اسلئے کسا گوتمی نے دریافت کیا کہ مہاراج آپ کو کونسی بوٹی درکار ہوگی گوتم نے کہا تھوڑی سی سرسوں لے آؤ۔ گوتمی نے اس معمولی دوا کے لانے کا جلدی سے وعدہ کرلیا اُسوقت گوتم نے اتنا اور کہا کہ تم یہ دانے کسی ایسے گھر سے لانا جہاں کسی کا فرزند خاوند ماں

باپ یا غلام کوئی بھی مرا ہو گوتمی نے کہا بہتر۔ اور اپنے مردہ بچے کو لیئے ہوئے دوا کی تلاش میں روانہ ہوئی۔ لوگوں نے کہا سرسوں کے دانے جسقدر چاہو لیجاؤ۔ مگر جب اُسنے پوچھا کہ تمہارے ہاں کبھی کوئی موت تو نہیں ہوئی تو وہ بولے یہ تم کیا کہتی ہو زندہ تو معدودے چند ہی ہیں اور مُردہ بہت ہیں۔ اسیطرح وہ ہر شخص کے مکان پر گئی۔ کسینے کہا میرا فرزند ضائع ہوگیا۔ کوئی بولا ہمارے ماں باپ کا انتقال ہوگیا۔ کسی نے اپنے غلام کے مرنے پر افسوس ظاہر کیا۔ غرض کوئی گھر ایسا نہ ملا جہاں موت نہ آئی ہو۔ اسوقت اُسکے دل سے ظلمت کا پردہ اُٹھ گیا۔ اُس نے صبر کی بھاری سل اپنے سینہ پر رکھلی جی کڑا کر کے اپنے مُردہ بچہ کو جنگل میں چھوڑا اور بودہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اُن کی اطاعت قبول کی۔ گوتم نے پوچھا سرسوں کے دانے نہیں لائی۔ اُس نے جواب دیا سوامی جی مجھے کہیں نہیں ملے۔ لوگ کہتے ہیں زندہ تھوڑے ہیں اور مُردہ بہت تب گوتم نے اپنے اصلی مذہبی طریقہ میں گفتگو کی اور ہر چیز کا فانی ہونا اُسکے دل پر ایسا مرتسم کر دیا کہ اُسکے تمام شکوک رفع ہوگئے اور وہ مرید ہو کر مذہبی گروہ میں شامل ہوگئی۔

دوسری روایت یوں ہے کہ ایک مرتبہ کوئی متمول برہمن اپنے کھیت سے جسوقت فصل کاٹ کر اناج گھر لایا گوتم بدھ اپنی جھولی لیکر اُسکے پاس جا کھڑے ہوئے برہمن نے جھنجھلا کر کہا ”میں قلبہ رانی کر کے تخم ریزی کرتا ہوں اور بڑی محنت مشقت سے اپنا رزق پیدا کرتا ہوں تم بھی اسیطرح اپنی قوت حاصل کرو۔“

گوتم نے جواب دیا ”میں بھی قلبہ رانی اور تخم ریزی کیا کرتا ہوں اور تیری طرح محنت و مشقت ہی سے اپنا رزق بہم پہنچاتا ہوں۔“

برہمن نے کہا کہ تم اپنے کو کاشتکار بتاتے ہو۔ مگر میں تم میں کوئی علامت کاشتکاری کی نہیں پاتا۔ تم کاشتکار ہو تو تمہارا کھیت کرنیکا سامان ہل بیل بیج وغیرہ کہاں ہے؟

بدھ نے جواب دیا ”سنو۔ ایمان میرا تخم ہے جسے میں بوتا ہوں اور نیک کاموں کی بارش سرسبز و شاداب کرتی۔ عقل و حیا میرے ہل کے پُرزے ہیں اور میرا دل اُسے چلاتا ہے۔ مذہبی قانون میرے ہل کا دستہ ہے۔ شوق و سنجیدگی میرا پینا ہے اور محنت و سعی میرے بیل ہیں اس قلبہ رانی سے مغالطہ کے بیکار خودرو پودے اُکھاڑ ڈالے جاتے ہیں اور جو فصل پیدا ہوتی ہے وہ نروان کے

کے کھانا کھلانیکا اگلے جنم میں نیک صلہ ملیگا اور کہنا کہ یہ لفظ انھیں کی زبان کے ہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے اپنی عمر میں بہت لوگوں کے ہاں کھانا کھایا۔ مگر ان میں سے دو شخصوں پر خدا کی رحمت سب سے زیادہ ہوگی یعنی ایک سوجات جس نے مجھے بُدھ کا درجہ پانے سے قبل درخت دانش کے تلے کھانا کھلایا تھا اور دوسرا چنداز رگر جس نے میری وفات سے پہلے مجھے کھانا کھلایا ہے۔

وہ ایک درختوں کے جھنڈ میں بیٹھ گئے اور بہت دیر تک اپنی تجہیز وتکفین اور چند اُن قواعد کی بابت جن کی پابندی اہل گروہ پر ان کی وفات کے بعد فرض ہوگی انند سے گفتگو کرتے رہے۔ انند نے جب اپنے پیارے ہشواعلم سے سُنا کہ وہ صرف ایک ہی دن کے مہمان ہیں انتہائے غم سے اس کا کلیجہ پاش پاش ہونے لگا اور وہ ایک گوشہ میں جاکر بیہم اشک باری سے آنکھوں کا بخار نکالنے لگا۔ گوتم نے عرصہ تک نہ دیکھا تو اُسے بُلایا اور وہ گریہ کو ضبط کرکے اُن کے پاس آبیٹھا۔ اُنھوں نے تسلی وتشفی کرکے نردان حاصل ہونے کی امید دلائی اور کہا کہ تم اسقدر کیوں رنج کرتے اور روتے ہو۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ ایک دن ہم کو سب اپنے عزیز واقارب اور جملہ دلپسند چیزوں سے جدا ہونا پڑیگا۔ کوئی ذی روح یا غیر ذی روح اپنی فانی صفات سے جو قدرت نے اس کی فطرت میں ودیعت کردی ہیں علٰحدہ نہیں ہوسکتا اے انند مدت تک گفتار وکردار ترحم وتصور میں تمہیں مجھ سے قربت حاصل رہی ہے اور ہمیشہ تم نے ہر بات میں اپنے آپ کو اچھا ثابت کیا ہے۔ پس اسی پر قائم رہو۔ تم بھی خواہشات دُنیا اور قید جہالت سے آزاد ہو جاؤ گے۔ پھر گوتم اور مریدوں کی جانب مخاطب ہوکر انند کی رحم دلی اور ژرف نگاہی کا ذکر کرتے رہے۔

اب اُن کی حالت ردی ہونے لگی اور وہ ایک درخ[illegible]سایہ میں بحس وحرکت پڑے رہے۔ رات کی درازی کا بیان کرنا دشوار ہے۔ ایک ایک گھڑی ایک ایک سال کے برابر گزرتی تھی۔ اُن غمگین مُریدوں نے اُن کی تیمارداری میں ساری رات آنکھوں میں کاٹی۔ نصف شب کے وقت ایک برہمن فلسفی کچھ سوالات دریافت کرنیکے لیئے بُدھ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر انند نے اس خیال سے کہ جاں بلب مرشد میں مباحثہ کی طاقت نہ تھی فلسفی مذکور کو اُن کے پاس جانے سے روکا۔ یہ قیل وقال سُنکر گوتم نے دریافت کیا۔ اور حال کہا گیا تو انھوں نے برہمن کو بلالیا۔

فلسفی کے سوالات سُنکر گوتم نے کہا بھائی یہ وقت ایسے مباحثوں کا نہیں ہے بس اپنے مذہب کا وعظ کہتا ہوں تم توجہ سے سُنو۔ نجات بغیر طہارت وتقویٰ کے نہیں حاصل ہوسکتی۔ یعنی جب تک

طہارت کے آٹھ طریقے جن میں پہلا پاکیزگی اور آخر کار عشق الٰہی ہے اختیار نہ کیے جائیں نجات ملنا امر محال ہے۔

برہمن کے چلے جانے کے بعد گوتم نے انند سے کہا "شاید تم سمجھتے ہو گے کہ ہمارے مرشد کو سفر آخرت پیش آیا اور ہمارا کام ختم ہوا۔ مگر ہرگز ایسا خیال نہ کرو اور میرے بعد میرے مذہب اور مذہبی تعلیمات کو جو میں نے تمھیں تلقین کی ہیں اپنا مرشد اور معلم سمجھو"

ایک لمحہ بعد انھوں نے چھوٹے بڑے اہل گروہ کے باہم خطاب کرنے کا قاعدہ بتایا اُن کے تمام قواعد مخترعہ میں سے یہ آخری قاعدہ تھا۔

ذرا آرام کر کے اُٹھے تو اُنھوں نے ایک شخص چان نامی کے لیئے سزا تجویز کی جس نے کسی معاملہ میں بے جا کلام اپنی زبان سے نکالے تھے یہ انکا آخری کام تھا جو اُنھوں نے مذہبی گروہ کے سرپرست اور پیشوا کی حیثیت سے کیا۔

اس کے بعد وہ ایک یا دو گھنٹے تک خاموش رہے۔ پھر اپنے مریدوں کو پاس بُلا کر کہا "اگر تمھیں کسی بات میں کچھ شک و شبہ ہو تو وہ اسوقت رفع کر لو تاکہ تم کو اسبات کا افسوس نہو کہ جب موقع تھا ہم نے اپنے شکوک رفع کیوں نہ کر لیئے" مگر کسی نے ایک لفظ بھی نہیں کہا اور سب کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہنے لگے۔

پھر اُنھوں نے تھوڑی دیر توقف کر کے کہا "اے درویشو اب میں تمہارے دلوں پر مرتسم کیئے دیتا ہوں کہ دُنیا میں کل اشیا کے اجزا فنا پذیر ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنی سر گرم کوششوں سے نجات حاصل کرو"

یہ اس اعلیٰ رہنما کے آخری لفظ تھے۔ تھوڑی دیر میں اُن کے قویٰ مضمحل ہو گئے اور وہ اُسی حالت میں جنت کو سدھار گئے۔

افسوس سدھارت گوتم بُدھ نے وفات پائی۔ یہ وہی قدسی صفات گوتم تھے جن کی شاہزادگی پر کسیوقت باشندگان کپل وستو کی امیدیں وابستہ تھیں۔ یہ وہی رہنما تھے جنھیں درخت دانش کے نیچے بُدھ کا درجہ ملکر علم لدُنی حاصل ہوا تھا۔ اُف دنیا کا اعلیٰ واعظ اور اکمل فلسفی

رحلت کر گیا۔ ہائے وہ آفتاب جو مذہبی فلسفہ کے نصف النہار پر پہنچا جس نے اپنی تیز کرنوں کی ضیا سے اس ظلمت کدہ کی تاریکی کو دور کر کے راہِ نجات منور کر دی جس نے اپنے نورانی فیض سے ابدی خوشی کے مندر کی کنجی انسان کے ہات میں سونپ دی مغربی اُفق میں دُنیا سے اپنی وسیع شعاعیں سمیٹتا ہوا آہستہ آہستہ غروب ہو گیا۔

تعلیمات گوتم بُدھ

گوتم بدھ کی سوانح عمری میں بیان ہو چکا ہے کہ اُن کو درخت دانش کے نیچے ایک علم حاصل ہوا تھا۔ مگر وہ کیا تھا اور کیونکر حاصل ہوا اس کا بیان ان تعلیمات میں کیا جائے گا۔ جس زمانہ میں ان کا ظہور ہوا سری کرشن کی اعلیٰ تعلیمات (افعال بلا خواہشات نفسانی۔ علم اور عشق) لوگوں کے دلوں سے محو و فراموش ہو چکی تھیں یا یوں کہو کہ غفلت کے سبب لوگ اُن سے بے التفاتی کرنے لگے تھے۔ البتہ نجات کی تمنا میں چند نفوس لق و دق جنگلوں میں بیٹھے ہوئے جوگ کی ریاضتیں کر رہے تھے۔ یا کچھ لوگ تصور و مراقبوں میں مستغرق چند پہاڑوں کی ایسی کھوہوں میں معتکف تھے جہاں انسانوں کا گزر دشوار تھا۔ مگر یہ معدودے چند ہی تھے اور اُن کی کامیابی یا ناکامی کو عوام الناس کی خوشی اور بنی نوع انسان کے ذریعہ نجات سے کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ پجاریوں اور دانشمندوں نے حصول نجات کے بہت سے مسائل ذہنی اختراع کئے قربانیوں کے بے شمار طریقے ایجاد کئے۔ پرستشوں کی بہت سی شکلیں نکالیں

علم غیب اور بعید الفہم تصوف کی تلاشیں کیں۔ غرض دنیوی تکالیف سے نجات پانے اور راحت دائمی حاصل کرنے کے تقریباً ایک ہزار ایک ذرائع و وسائل اُس وقت انسان کو معلوم ہوئے اور اُن کی آزمائشیں کی گئیں۔ مگر اُن سے انسانی تکالیف کے دور کرنے میں کچھ بھی مدد نہ ملی۔ بیچارے انسان نجات کی جستجو میں ظالم پجاریوں اور خودغرض اہل مذہب کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے تھے۔

جب گوتم اپنے والد کے قصر شاہی سے نکل کر راحت دارین کی تلاش میں جنگل کی طرف روانہ ہوئے اُس وقت ہند میں مذہبی دُنیا کی یہی حالت تھی اُنھوں نے سب دینی قیود اختیار کیے۔ کل مذہبی قربانیاں اور رسوم ادا کیے۔ ان پابندیوں کو پجاری ذریعہ نجات بتاتے تھے۔ مگر افسوس بہت جلد اُنھیں معلوم ہوگیا کہ یہ سب اُن کے ڈھکوسلے اور روپیہ پیدا کرنے کی تدبیریں تھیں۔ پریشانی اور یاس کی حالت میں اُنھوں نے گنجان جنگلوں میں بیٹھکر وہ ریاضتیں کیں جو نجات کا زینہ اور مغفرت کا ذریعہ سمجھی جاتی تھیں اور جن کے دانشمند اور زاہد اجارہ دار بنے بیٹھے تھے۔ اس کے بعد مدتوں مخزن علوم میں سر کھپایا۔ اور ہزاروں کتابوں کا شبانہ روز مطالعہ کرکے بدقت و دشواری اُن کے مطالب سے آگہی حاصل کی۔ ذریعہ نجات اور راہ بہشت کی جستجو میں ہر ایک فلسفہ کو پڑھا۔ ہر علم معرفت کو ڈھونڈا۔ مگر افسوس کسی سے تسکین نہ ہوتی۔ چھ سال تک سخت مجاہدہ اور جوگ کی دشوار ریاضتیں کیں مگر راہ نجات کا پتہ نہ لگا۔ چھ سال تک استغراق مراقبہ اور یک سوئی تصور میں وقت صرف کیا۔ اس میں بھی حسرت نصیبی اور محرومی طالع نے

پیچھا چھوڑا۔ بالآخر زندگی کی کلفتوں سے بہ تنگ آکر اور کم نصیبی سے پریشان ہو کر اُنھوں نے جنگل کا قیام ترک کیا اور جوگ تصور کو خیرباد کہکر درخت دانش کے نیچے آبیٹھے۔

دن ڈھلا۔ شام کی ہلکی روشنی آہستہ آہستہ دُھندلی ہونے لگی اور پیشتر اس سے کہ رات کی ظلمت سے تاریکی کے گھٹا ٹوپ بادل چھا کر تمام عالم میں اندھیر الگھپ ہو جائے ایک مشہور یونانی[1] حکیم کی طرح گوتم نے شور مچا کر کہا۔ "میں نے اُسے پالیا میں نے اُسے پالیا" جس شے کی تلاش تھی وہ آخر کار مل گئی دقیق مسئلہ انسانی حل ہو گیا اور حصول نجات کا ذریعہ معلوم ہو گیا ؎

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست   آمد آخر زپس پردۂ تقدیر پدید

مگر اس سوال کا جواب ابھی باقی ہے کہ وہ کیا چیز تھی جو درخت دانش کے نیچے معلوم ہوئی

---

[1] یہاں یونانی حکیم (Archimedos) ارشمیدس سے مراد ہے یہ اعلیٰ درجہ کا ہندسہ داں فلاسفر ہبوط آدم علیہ السلام سے ۵۲۰۲ برس بعد پیدا ہوا اس نے دعویٰ کیا تھا کہ اگر مجھے اپنے پاؤں ٹکانے اور علمی آلات رکھنے کے لئے جگہ ملجائے تو جر ثقیل کے قاعدے سے کرۂ زمین کو بڑی آسانی سے اُٹھا لوں۔ اسی فلاسفر نے وزن آب برنسبت اجسام کا خاص ثقل یا دھاتوں کا اصلی وزن صنفی دریافت کرنے کا قاعدہ ایجاد کیا۔ روایت ہے کہ ہیرو شاہ سکیوز نے ایک طلائی تاج تیار کرایا تھا جس میں اُسے شک ہو گیا کہ زرگر نے کچھ مقدار چاندی کی بھی داخل کی ہے مگر اس آمیزش کے دریافت کرنے کا کوئی طریقہ اُس کے ذہن میں نہ آتا تھا۔ آخر کار شاہ مذکور نے حکیم ارشمیدس سے اس مسئلہ کو حل کرنیکے لئے کہا۔ اُسی وقت سے حکیم غور و خوض میں مستغرق رہنے لگا۔ ایک دن وہ غسلخانہ میں نہا رہا تھا کہ یکایک بنے ہوئے زیورات میں کھوٹ دریافت کرنیکا اصلی قاعدہ اُسے معلوم ہو گیا اور وہ عالم مسرت میں ایسا از خود رفتہ ہو گیا کہ غسل خانہ سے ننگا مادرزاد یونانی زبان میں "یورک یورک" کہتا ہوا نکل آیا جس کے معنی ہیں کہ میں نے اُسے پالیا میں نے اُسے پالیا۔ مکان پر پہونچکر اُس نے ایک خالص سونے کا ٹکڑا لیکر پانی میں ڈال کر وزن کیا تو معلوم ہوا کہ سونے کے کل وزن میں سے $\frac{1}{19}$ واں حصہ کم ہو گیا اُس سے یہ نتیجہ صریح نکالا کہ خالص سونے کا وزن پانی کے وزن سے ۱۹×۱ یعنی اُنیس گنا زیادہ ہے پھر شاہ کے تاج کو وزن کیا تو معلوم ہوا کہ وہ $\frac{1}{19}$ ویں حصہ سے بہت زیادہ کم اُترا اس لئے ثابت ہو گیا کہ تاج زر خالص کا بنا ہوا نہ تھا اور اسی قاعدہ کے بموجب سنار نے کھوٹ ملائی تھی واجبی طور سے سزا پائی۔ مترجم

سری کرشن کی وفات سے تقریباً دو ہزار برس بعد دُنیا کا رنگ بالکل بدل گیا تھا پرانی چیزیں دستبردِ زمانہ کے ہاتھوں نیست و نابود ہوکر نئی چیزیں اُن کی جگہ پیدا ہوگئی تھیں انسان پھر اُسی درد و الم میں مبتلا ہوکر دریائے معاصی میں غوطے کھا رہے تھے۔ ادائے فرائض میں کمی آگئی فسق و فجور بڑھ گیا۔ انسان جرم معصیت کے عمیق غاروں میں اُترتا چلا جاتا تھا خدائے تعالیٰ جل شانہ کو (جس کا عشق انسان کے ساتھ وہم و خیال سے باہر ہے) پھر اس امر کی ضرورت معلوم ہونے لگی کہ وہ عالم فانی میں ورود فرماکر نیکوں کی حمایت کرے اور بدوں کو سزا دے اور راہ بہشت دکھا کر دائمی راحت کی سلطنت کی طرف رہنمائی کرے۔ پس نور خدا گوتم کے قالب میں جب وہ آرزومندانہ سرگرمی کے ساتھ اپنے اور کل بنی نوع انسان کے لئے نجات کا ذریعہ ڈھونڈ رہے تھے جلوہ گر ہوا۔

جو جلوہ گوتم نے یکایک دیکھا اور جو ذریعہ نجات اُن کو معلوم ہوا وہ بعینہٖ وہی تھا جو سری کرشن نے اپنی زبان فیض ترجمان سے بیان فرمایا تھا یعنی فعل۔ علم۔ عشق۔

یہ خیال کرنا بڑی غلطی کی بات ہے کہ گوتم نے سری کرشن کے مذہب سے تجاوز کرکے ایک نئے مذہب کے وعظ کیے۔ گوتم نے خود اپنی زبان سے فرمایا ہے کہ جب دنیا میں فسق و فجور بڑھ جاتا ہے انسان کو نیکی اور طہارت تلقین کرنے کے لئے بُدھ کا اوتار ہوتا ہے۔ مجھ سے پہلے بھی بُدھ ہوچکے ہیں اور میرے بعد بھی بہت سے بُدھ ہونگے۔ شاید بُدھ نے سری کرشن کا نام بھی سُنا نہ تھا اُنکی تعلیمات کا بھی مطالعہ نہ کیا تھا مگر جو کچھ اُنھوں نے انسانوں کو تعلیم کیا وہ من وعن سری کرشن کی اُن تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے جو اُنھوں نے دو ہزار برس پہلے کی تھیں وہ دونوں خدا تعالیٰ کے اعلیٰ اوتار تھے اُنکی تعلیمات میں کیونکر فرق ہوسکتا ہے۔

چونکہ ان دونوں رہنماؤں کا دو مختلف زمانوں میں ظہور ہوا تھا اور اُن کے مقاصد بھی مختلف تھے لہٰذا قدرتی طور پر اُن کی تعلیمات میں اکثر مواقع پر اختلاف ہونا ممکن ہے مگر ہم ابھی دکھائینگے کہ وہ اصولاً ایک دوسرے کے مطابق ہیں اور دونوں تعلیمات کے اصول جن پر وہ مبنی ہیں ایک ہی ہیں۔

بدھ اور سری کرشن کا فلسفہ یکساں ہے۔ دونوں کا قول ہے کہ دنیا متبدل ناپائدار بلکہ

خواب وخیال ہی فعل پر قوت متحرکہ ہے۔ افعال سے نتائج نتائج سے تناسخ اور تناسخ سے تکالیف مصائب اموات اور شیون وماتم ہوا کرتے ہیں بُدھ فرماتے ہیں "جیسا بوؤگے ویسا کاٹوگے" بُدھ نے فعل (کرم) کو اول درجہ کا قرار دیا ہے سری کرشن نے بھی افعال ہی کو سب پر فائق مانا ہے۔ بُدھ فرماتے ہیں "ہر چیز کو فنا ہے مگر فعل قائم بالذات ہے اور افعال سے نتائج متخرج ہوا کرتے ہیں جیسے تمہارے اعمال ہونگے ویسا اگلے جنم میں تمہیں اُن کا پھل ملیگا۔ جیسا کروگے ویسا پاوگے۔ کردۂ خویش آید پیش"۔

کرم (فعل) پر جو انسان کا کاتب تقدیر ہے کیونکر قبضہ حاصل ہو سکتا ہے؟ بغیر افعال کے انسان ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا عام اس سے کہ وہ افعال ظاہری ہوں یا باطنی افعال ہی انسان کو دنیا میں مصیبت زدہ رکھتے ہیں اور یوں ہی وہ بہت سی حیات وممات میں رکھینگے۔ گوتم فرماتے ہیں "نروان حاصل کرنے سے انسان کو افعال سے نجات ملتی ہے"۔

نروان کیا ہے؟ بُدھ فرماتے ہیں "جو شخص ضبط نفس کرتا ہے وہ اپنی ذاتی تربیت سے نروان کے غیر پامال رستہ میں قدم دھرتا ہے" (دھرم پد۔ ۱۶۰۵)

بُدھ فرماتے ہیں "جو شخص خاموشی کے ساتھ ہر بات کی برداشت کر لیتا ہے اُسکو نروان حاصل ہو جاتا ہے (ابید۔ ۵۔ ۱۴۴)

خواہش بدترین امراض میں سے ہے جب یہ بات انسان کی سمجھ میں اچھی طرح سے آجاتی ہے تو اُسی حالت کو نروان کہتے ہیں۔ (ابید۔ ۵۔ ۲۰۳)

سانتی (آسمانی راحت) نروان ہے اور یہی نہایت اعلیٰ درجہ کی خوشی ہے۔ (ابید۔ ۵۔ ۲۰۵)

یہاں ہم ایک مشہور سنسکرت زبان کے فاضل کی کتاب سے ایک عبارت اقتباس کر کے درج کرتے ہیں "راحت میں روح کے داخلہ کا دروازہ نروان ہے روح کی راحت میں داخل ہونے سے تمام خواہش وارمان کا مطیع کرنا اور رنج وراحت کا محسوس نہ ہونا مراد ہے۔ بدی کو بدی اور نیکی کو نیکی نہ سمجھنا روح کا روح میں فنا ہونا دائرۂ ہستی سے رہا ہو کر مرگ وزیست کے چکر سے رہائی پانا نروان ہے" (میکس مولر)

نروان کے لفظی معنے نیست ونابود یا فنا ہو جانے کے ہیں۔ فنا ہو جانے سے کس شے کا

فنا ہونا مراد ہی؟ مذکورۂ بالا اقتباس سے بخوبی ثابت ہی کہ فنا ہونے سے مراد خواہشات کا فنا ہونا ہے جس سے مرادی معنے دل کے فنا ہونے کے ہیں۔ دل فنا ہونے کی حالت ہی کو نِروان کہتے ہیں مگر اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ نِروان مرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے جیتے جی انسان کو نِروان مل سکتا ہے۔ بُدھ کو حیات ہی میں نِروان حاصل ہوا تھا جو زندگی میں نِروان پاتے ہیں اُنھیں بُدھ اَرھَتْ کہتے ہیں۔ ایک اَرھَتْ کا قول ہے "نہ مجھے زندہ رہنے کی تمنا ہی نہ مرنے کی آرزو میری خواہش فنا ہو چکی ہے اب میں صرف اپنی ہستی کا خاتمہ کرنیکے لئے مقررہ وقت کا منتظر ہوں"

سری کرشن نے فرمایا تھا کہ تم اپنی خواہشات یعنی دل کو فنا کرو۔ بُدھ فرماتے ھیں نِرْوان حاصل کرو جس کے یہی معنے ہیں کہ اپنی خواہشات یعنی دل کو فنا کرو۔

نروان کے معنی بُدھ اس کے سوا کچھ نہیں بتاتے۔ وہ فرماتے ہیں کرم (فعل) برتر ہی۔ کرم ہی ہمارے مقدر کا حاکم۔ ہمارے آئندہ جنم کا سبب اور ہماری جملہ تکالیف کا باعث ہی۔ اسکے ساتھ ہی اُنھوں نے وہ ذریعہ بھی بتایا ہے جس سے فعل غیر مؤثر ہو کر آئندہ نتائج پیدا نہیں کر سکتا اور وہ خواہشات کا یکلخت فنا کر دینا ہے مگر جبتک دل فنا نہ ہو یہ امر ممکن نہیں۔ اس مسئلہ پر ہم سری کرشن کی تعلیمات میں بہت کچھ بحث کر چکے ہیں۔ پس فنائے دل کے سوا نِروان کے اور کچھ معنی نہیں ہو سکتے۔ کیا اب بھی کسی صاحب کو سری کرشن اور بدھ کی تعلیمات کی مطابقت میں شک ہو سکتا ہے؟ بُدھ نے بھی دل ہی کو فنا کرنا تعلیم کیا ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ بُدھ نے اُس حالت کا جس میں دل فنا ہو جاتا ہی نِروان نام رکھا ہے۔ اور سری کرشن نے کوئی نام نہیں رکھا مگر بُدھ کا اوتار اس سے بھی زیادہ کام کرنے کے لئے ہوا تھا۔ مذکورۂ بالا اصول کو سری کرشن نے حتے الامکان نہایت صاف الفاظ میں بیان فرمایا تھا تو بھی انسان اُس کے سمجھنے میں قاصر رہے اور اصلیت سے تجاوز کر کے اُس میں نئے معنی پہنا دیئے بُدھ نے ظہور فرما کر اس بجھی ہوئی شمع کو پھر روشن کر دیا اور غلط فہمیوں کو تشریح سے رفع کر دیا۔

بُدھ فرماتے ہیں۔ "نجات کا ذریعہ نِروان ہے جس کے معنے دل کے فنا کر دینے کے ہیں" جب تک انسان زندہ ہی اُس سے فعل کا صدور ہو گا۔ کیونکہ فعل ہستی ہے لہذا خواہشات اور دلی اغراض کے بغیر عمل کرنا چاہیئے تاکہ افعال سے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہو۔ یہی سری کرشن نے فرمایا تھا

مگر اُن کا قول عرصہ تک مؤثر نہ رہا اور انسان اُسے فراموش کر کے پھر گرفتار رنج و محن ہو گئے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ بُدھ نے اس شمع کو روشن کرنے کے لئے کیا کیا۔ سری کرشن نے فرمایا تھا "خدا پر بھروسہ کرو" صرف یہی ایسا ذریعہ ہے جس سے تمھارا دل فنا ہو سکتا ہے مگر انسان اس کی تعمیل میں مجبور ہے بلکہ اُن کے لئے یہ ایک ناممکن امر تھا۔ اس لئے بدھ کو خیال ہوا کہ خدا کی جگہ کوئی اور شے قائم کی جائے تو بہتر ہوگا لہذا اُنھوں نے فرمایا "اپنے آپ پر بھروسہ کرو"۔

انھوں نے دیکھا کہ خدا پر پورا بھروسہ کرنا انسان سے ناممکن ہے کیونکہ خدا پر بھروسہ کرنا اصل میں اپنے آپ کو بھلا دینا ہے جو قریب قریب ناممکن امر ہے اس لئے اُنھوں نے یہ اعلیٰ اور برتر طریقہ نکالا جس سے بتدریج انسان کو نروان کی حالت حاصل ہو جاتی ہے۔

کیا بُدھ منکر خدا اور دہریئے تھے؟ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ لوگوں نے خاص خدا کے اوتار کو ملحد سمجھا۔ ہم نہیں جان سکتے کہ بُدھ جن کے قالب میں نور الٰہی جلوہ گر ہوا تھا خدا سے کیونکر منکر ہو سکتے تھے۔

جب اُنھیں درخت دانش کے نیچے بُدھ کا رتبہ ملا اُنھوں نے پکار کر کہا تھا "اے کالبد خاکی کے بنانے والے جبتک میں نے تجھے نہیں پایا تھا مجھے بہت سی حیات و ممات میں گذرنا پڑا تھا اور وہ سب دردانگیز حالتیں تھیں مگر اب میں نے تجھے دیکھ لیا ہے مجھے امید ہے تو اس کالبد خاکی کو پھر نہ بنائیگا۔ دل نے دولتِ نروان حاصل کی تمام خواہشیں فنا ہو گئیں (دھرم پد ۱۵۳-۵)

کیا یہی الحاد ہے؟ بُدھ کو دہریہ کہنے کا سبب ہم کو اچھی طرح معلوم ہو سکتا وجہ یہ تھی کہ بُدھ کا درجہ حاصل ہونیکے بعد گوتم نے پھر کبھی خدا کا نام نہ لیا اور بدھوں کو کل دیوتاؤں کے خدا پر فضیلت دی جو خدا وہ خود تھے اُسکا ذکر کیوں کرتے مگر اُنھوں نے بُدھ کے وجود سے کبھی انکار نہیں کیا۔ نہ کبھی یہ کہا کہ بُدھ مثل دیگر انسانوں اور دیوتاؤں کے ہے۔ اُنھوں نے خدا کا نام بُدھ رکھا تھا جو وہ خود تھے۔ کیا یہ امر ممکن ہے کہ خدا کا اوتار اپنے آپ کو خدا سے جُدا سمجھے؟

سری کرشن نے اپنی تعلیمات میں اپنے آپ کو خدا کہا تھا۔ اُنھوں نے بھی کبھی دوسرے خدا کا نام نہیں لیا۔ جب اُنھیں خدا کا لفظ کسی جگہ کہنا ہوتا تھا تو وہ اُس جگہ واحد متکلم کی ضمیر بولتے تھے یعنی اپنے آپ کو خدا کہتے تھے۔ مگر کیا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ملحد یا دہریئے تھے۔

گوتم اور انکے کل پیرؤوں نے خدا کا نام بُدھ رکھا تھا وہ بُدھ کے معتقد تھے اور خود بُدھ ہو گئے۔ اُنھوں نے فرمایا ہر شخص میری طرح بُدھ ہو سکتا ہے جب انسان کو نروان حاصل ہو جاتا ہے تو وہ بُدھ ہو جاتا ہے۔ جہالت سے انسان اپنی دنیوی ہستی اور خدا کو علیحدہ علیحدہ محسوس کرتا ہے جب جہالت جاتی رہتی ہے وہ اپنے آپ کو بُدھ کے درجہ میں پاتا ہے۔ کیا یہ سری کرشن کی تعلیمات کے خلاف ہے۔؟

دونوں کی تعلیمات میں فرق اتنا ہی ہے کہ ایک نے نجات حاصل کرنے کے لئے خدا پر بھروسہ کرنے کی ہدایت دی۔ دوسرے نے خدا کو نروان کے حاصل کرنے میں علیحدہ رکھا۔ سری کرشن نے فرمایا "مجھ پر بھروسہ کرو اور تم کو معلوم ہوگا کہ میں اور تم ایک ہو گئے"۔ "بُدھ نے کہا" اپنے اوپر بھروسہ کرو اور بُدھ ہو جانے کی آرزو رکھو"۔

مگر حقیقت میں ان دونوں تعلیمات کا ایک ہی مطلب ہے۔ سری کرشن نے فرمایا "مجھ پر بھروسہ کرنے سے تمھاری خواہشیں نیست و نابود ہو کر تمھارا دل فنا ہو جائیگا پھر تمھارے افعال سے نتائج پیدا نہ ہونگے اور اُنکا خاتمہ ہو جائیگا۔ افعال کے خاتمے سے ہستی جاتی رہیگی مگر تو بھی تم اپنے آپکو ایک ناممکن الادراک ہستی میں پاؤگے اور یہ آسمانی پائدار اور غیر مبدل ہستی ہوگی"۔ بُدھ نے فرمایا "اپنے اوپر بھروسہ کرو اور نجات حاصل کرنے کی خود کوشش کرو۔ نروان سے نجات حاصل ہوگی۔ نروان حاصل کرنے کے لئے اپنی خواہشات اور اپنے دل کو فنا کرو۔ دل کے فنا ہونے سے ظاہری اور باطنی ہر قسم کے افعال موقوف ہو کر دنیوی ہستی فنا ہو جائے گی اور تم بُدھ ہو جاؤگے"۔ سری کرشن کہتے ہیں "تم اپنے آپ کو ایک ناممکن الادراک خوشی کی حالت میں پاؤگے۔ بُدھ بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ بُدھ کا درجہ بھی ایک ناممکن الادراک خوشی کا عالم ہے۔

"خدا پر بھروسہ رکھو" اس اصول میں کامیابی نہ ہوئی۔ یا یوں کہو کہ بنی نوع انسان کے لئے یہ بڑا دقیق مسئلہ تھا۔ اس لئے دوسرے رہنما نے حصول نجات کا دوسرا طریقہ "اپنے آپ پر بھروسہ کرو" بتایا اور علم کو سب پر فضیلت دیکر وہ اعلیٰ عملی طریقہ ایجاد کیا جس کے ذریعہ سے انسان رفتہ رفتہ بُدھ کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔

بُدھ نے حصول نجات کے لئے جو طریقہ بتایا وہ کیا تھا؟ اُنھوں نے مقلدین مذہب کو

دو جداگانہ گروہ میں تقسیم کیا۔ پہلا گروہ گداگروں کا دوسرا دنیا داروں کا۔ دونوں گروہوں کے ممبروں کو کرم یعنی عمل کی ہدایت دی۔

گداگروں کے تین کام تھے (۱) علم حاصل کرنا (۲) دنیا داروں کو تعلیم و تلقین کرنا (۳) حصول نجات کے لئے محنت کرنا۔ اسی طرح دنیا داروں کے بھی تین کام تھے (۱) زاہدوں سے علم سیکھنا (۲) فرائض خانہ داری کا ادا کرنا (۳) زاہدوں کی خور و نوش کا بندوبست رکھنا۔

نجات حاصل کرنے کے لئے تحصیل علم پہلا زینہ۔ خالص فعال اور پاک زندگی دوسرا زینہ اور عشق عالم تیسرا زینہ تھا۔

خواہشات کو نیست و نابود اور دل کو فنا کرنا معمولی آدمی کا کام نہیں ہے مگر نروان کے معنے دل کو فنا کرنے کے ہیں پس جو شخص اس اعلیٰ درجہ کے حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے اُسے پہلے علم حاصل کرنا چاہیئے۔ پھر دلی قوتوں کو پیدا کرکے اُنکی تکمیل کرنی چاہیئے خصوصاً عشق اور اُس کے توابعات۔ رحم خیراندیشی وغیرہ میں کمال حاصل کرنا چاہیئے۔ سری کرشن نے فرمایا ہے کہ افعال ہی کے ذریعہ سے افعال کا مٹ جانا ممکن ہے۔ اسی طرح دل ہی کی تکمیل سے دل فنا ہوسکتا ہے۔

انسانی دل میں سب سے زیادہ بے تعلقی پیدا کرنے والی قوت کونسی ہے؟ اگر ہم کو حصول نجات کی خواہش ہے تو لازم ہے کہ ہم اپنی خواہشوں کو فنا کردیں۔ ہم کو اس طرح پر کام کرنا چاہیئے جس سے موجودہ اور آئندہ زندگیوں کا کوئی ذاتی نفع مقصود نہ ہو۔ یعنی ہم کو بے غرضانہ کام کرنا سیکھنا چاہیئے مگر وہ کونسا کام ہے جس کے کرنے میں نفع ذاتی کی خواہش نہیں ہوتی؟ ہم امید کرتے ہیں کہ سب لوگ متفق الرائے قبول کرینگے کہ ایسا کام عشق ہے۔ انسان بے غرضانہ عشق کرسکتا ہے۔ ہم انسانی زندگی کی ہر حالت میں دیکھتے ہیں کہ اکثر مرد و زن ایک دوسرے کو بلا کسی غرض کے محبت کرتے ہیں عشق ہی کی غرض سے عشق کرنا ممکن ہے بے غرضانہ عشق کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ بُدھ فرماتے ہیں "تحصیل علم"

علم سے دل کی تربیت ہوتی ہے۔ دل کی تربیت سے دلی قوتوں کی تکمیل اور دلی قوتوں کی تکمیل سے عشق عالم پیدا ہوتا ہے یعنی قدرت کاملہ اور قدرتی اشیاء کی محبت پیدا ہوجاتی ہے اور اس سے بالآخر نروان حاصل ہوجاتا ہے۔ لہٰذا نروان یعنی حصول نجات کے لئے علم نہایت ضروری اور مقدم چیز ہے۔ بُدھ نے علم کو اول درجہ کا رتبہ دیا اور ایک نہایت اعلےٰ درجہ کا طریقہ نکالا جس سے

انسان علم حاصل کرسکتا ہے۔

اُن کے زاہدوں کے نہایت ضروری فرائض تحصیل علم اور ترویج علم تھے۔ وہ خانقاہوں میں رھکر اپنی زندگی علم کی تحصیل میں بسر کرتے۔ سیدھی سادی طرز معاشرت اختیار کرتے۔ در در بھیک مانگتے۔ گھر گھر علم پھیلاتے اپنے اوقات دماغی تربیت اور اخلاقی درستی میں صرف کرتے انسانوں کو طہارت کی زندگی تعلیم کرتے۔ نیکی اور عشق کی نہایت عمدہ مثالیں بتاتے۔ غرض جو کچھ کام وہ انسانوں کے لئے کرتے اُس میں صلہ پانے کی بالکل خواہش نہ رکھتے۔ خواہشات کے فنا کرنے میں یہ اُن کا پہلا مرحلہ تھا جب انسانوں کے ساتھ بے غرضانہ نیکی کرنے میں اُنکو پوری پوری کامیابی ہو جاتی تو وہ موجودہ یا آیندہ ذاتی خوشحالی کی خواہش دل سے دور کرتے تھے جو شخص کل معاملات دنیا میں کماحقہ بے غرضانہ عمل کرسکتا ہے وہ بیشک کسی وقت اپنی حق میں بھی ویسا ہی کرسکتا ہے۔ کسی زاہد کو جب یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اُرہت ہو کر نرِوان کے دروازہ اور بُدھیت کے رستہ میں پہونچ جاتا ہے۔

غالباً اس سے بہتر اور سادہ تر مذہب کے وعظ دنیا میں کبھی نہیں دئے گئے۔ علم میں کمال حاصل کرو۔ اپنی زندگی کو کامل طور پر پاک بناؤ۔ حصول علم کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تمھارے افعال قاطبۃً پاک و طاہر ہو جائینگے۔ عالم کی کل اشیا کے ساتھ بے غرضانہ نیکی کرنے میں اپنی زندگی بسر کرو عام اس سے کہ وہ چیزیں ذی روح ہوں یا غیر ذی روح۔

بے غرضانہ عمل سے رفتہ رفتہ تم کو کل عالم کا عشق پیدا ہو جائیگا اور یہی نرِوان کا دروازہ ہے۔ بُدھ نے کئی مرتبہ فرمایا ہے "راہ نجات طہارت سے شروع ہو کر عشق میں ختم ہوتی ہے"

بدھ نے طہارت پر حتے الوسع بہت زور دیا ہے۔ کیونکہ طہارت کے بغیر انسان کو کل عالم کا عشق پیدا نہیں ہوسکتا۔ ناپاک آدمی کو عشق نہیں ہوتا اور بلا عشق کے نروان کبھی حاصل نہیں ہوتا۔ اُنھوں نے کوئی قاعدہ کوئی قانون مقرر نہیں کیا۔ کوئی سخت اور دشوار قید نہیں لگائی۔ اُنکا صرف یہی حکم تھا کہ طاہر رہو۔ کل عالم کے عاشق بنو اور بے غرضانہ نیکی کرو۔ اُن کے زاہد جس ڈھنگ کو پسند کرتے اُس ڈھنگ سے رہتے مگر ہر حالت میں طہارت عشق عالم اور بے غرضانہ نیکی کرنے کی سب کوشش کرتے رہتے۔ بُدھ کی نظروں میں ہر چیز خوش آیند تھی۔

اُن کی جماعت کبھڑے میں مرد و عورت یکساں داخل ہو سکتے تھے برہمن اور چنڈال دونوں کو اُنکے حلقۂ مذہبی میں داخل ہونے کا برابر حق حاصل تھا۔ اُن کا برتر پیام سب کو یکساں پہونچا تھا۔ اُن کی مذہبی دُکان سے بلاتفریق قوم۔ مذہب ملت سب کو جنس نجات ایک بھاؤ پر فروخت کی جاتی تھی۔

عوام الناس اور دنیا داروں کے لئے اُن کا مذہب بہت آسان ہے۔ وہ جانتے تھے جو شخص دنیا داری کے جھگڑے بکھیڑوں میں پھنسا ہے وہ زاہدوں کی طرح بے غرضانہ عمل نہیں کر سکتا۔ اہل دنیا کو اپنی خواہشیں فنا کر دینی قریب قریب ناممکن ہیں لہذا اُنھوں نے اُنکو صرف طاہر ہونے اور پاک و نیک زندگی بسر کرنے ہی کی ہدایت دی۔ اور علم حاصل کرنیکو کہا۔ کیونکہ علم پاک زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ بیشتر دنیا داروں کو تحصیل علم کے لئے کافی وقت نہیں مل سکتا۔ اس لئے اُنھوں نے کہا کہ تم زاہدوں سے جب وہ تمھارے ہاں بھیک مانگنے آئیں صرف پاک زندگی کے اوصاف سنا کرو جب تم زاہدوں کی جھولیوں میں کھانا ڈالوگے وہ تمھیں بتائینگے کہ پاک زندگی سے عشق عالم اور عشق عالم سے نروان حاصل ہوتا ہے۔ تم پوچھوگے تو اُن کا فرض ہوگا کہ وہ تم کو پاک زندگی اور نیک افعال کی تشریح کرکے سمجھا دیں۔ زاہدوں اور دنیا داروں دونوں کو نروان آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے نجات ہر شخص کے دروازہ پر موجود ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے کسی مذہبی قربانی پرستش نفس کشی اور مجاہدہ کی ضرورت نہیں۔ وہ امیر غریب جاہل عالم مرد۔ عورت سب کو مل سکتی ہے انسان کو اس کے سوچنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ نجات انسان سے بہت ریاضت نہیں چاہتی نہ اس امر کے جاننے کی ضرورت ہے کہ کون شے قابل محبت ہے اور کون شے قابل نفرت وہ پانی اور ہوا کی طرح بڑی آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ سب انسان برابر ہیں اور سب نجات حاصل کرنیکے مستحق ہیں۔ اگر سب کو ایک ساتھ طہارت اور عشق حاصل ہو جائے تو سب کے سب اُس عالم میں پہنچ سکتے ہیں جہاں تغیر موت تکلیف مصیبت کچھ نہیں ہے۔ جہاں ہر شے نشاط افزا اور ابدی ہے۔ جہاں زمین و آسمان علیحدہ علیحدہ ٹکڑے نہیں ہیں۔ جہاں انسان بُدھ ہے۔ اور باپ بیٹے خدا۔ آدمی سب ایک ہیں۔

یہ بُدھ کا مذہب ہے یہی سری کرشن کا مذہب تھا اور یہی موجودہ اور آئندہ بُدھوں کا مذہب ہوگا۔ انسان کے لئے صرف یہی مذہب اور یہی راہ نجات ہے۔

بُدھ کو درخت دانش کے نیچے کیا علم حاصل ہوا تھا؟ یہ وہی تین پُرانے الفاظ تھے جو بار بار دریائے جمنا کے دلکش کناروں میں گونجتے پھرے جنھوں نے کُرک شیتر میں میدان کارزار کو حشر کا نمونہ بنا کر چھوڑا یعنی فعل طہارت عشق۔

اب ہم بُدھ کی عام تعلیمات اور اشاعت دین کی کارروائی پر چند الفاظ لکھتے ہیں جن سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ بودھ مذہب نے بنی نوع انسان پر عموماً کیسا اثر ڈالا۔

بُدھ نے اپنے گروہ کے زاہدوں کے لئے بڑی عرق ریزی سے قواعد تیار کئے اور دنیاداروں کے لئے چند دلپذیر اخلاقی نصائح لکھے۔ مگر ہمارے مختصر رسالہ میں اسقدر وسعت نہیں کہ بُدھ مذہب کے اعلےٰ قواعد اور مرتفع قوانین تمام وکمال درج کریں۔ لہٰذا ہم یہاں صرف چند اخلاقی نصائح اور عام دینی عقائد ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

گوتم نے اپنی وفات سے پہلے جب باقاعدہ الوداع کہنے کے لئے اپنے گروہ کو جمع کیا تو انھوں نے فرمایا "اے گداگرد میں نے غور وخوض کے بعد جو قوانین منضبط کرکے ظاہر کئے ہیں اُنکو اچھی طرح پڑھو۔ اُن کو عمل سے پورا کرکے اُن کی اشاعت کرو تاکہ میرا مذہب عرصہ تک قائم رہے اور کل اہل دنیا کی خوشی اور بہتری کے لئے لازوال ہوجائے اور انسان اور دیوتا اُس سے متمتع اور بہرہ یاب ہوں۔ یہ قانون چھ حصوں میں اس طرح منقسم ہے (۱) چار سرگرم مراقبے (۲) چار بلیغ کوششیں (۳) چار دینداری کے رستے (۴) پانچ اخلاقی طاقتیں (۵) سات دانشیں (۶) آٹھ اعلےٰ طریقے (بودھ ستس ۶۱-۶۳)

یہ بُدھ کی تعلیمات کا لُبِّ لُباب اور خلاصہ ہے۔ اب ہم ہر مذہبی اصول مذکور الصدر کی تشریح کرتے ہیں۔

(۱) چار سرگرم مراقبے

(ا) پہلا مراقبہ جسمانی کثافت پر۔

(ب) دوسرا مراقبہ پرجوش حس کی پیدا کی ہوئی بُرائیوں پر۔

(ج) تیسرا مراقبہ خیالات کے عدم استقلال پر۔

(د) چوتھا مراقبہ ہستی کی حالتوں پر۔

(۲) چار تبلیغ کوششیں

(ا) پہلی کوشش برائیوں کی پیدائش روکنے کے لئے۔

(ب) دوسری کوشش موجودہ برائیوں کو دور کرنے کے لئے۔

(ج) تیسری کوشش غیر موجود نیکی پیدا کرنے کے لئے۔

(د) چوتھی کوشش پیدا کی ہوئی نیکی کو ترقی دینے کے لئے۔

(۳) چار دینداری کے رستے

(ا) دیندار بننے کی خواہش۔

(ب) دیندار بننے کے لئے ضروری جد وجہد۔

(ج) دیندار بننے کے لئے دل کی ضروری تیاری۔

(د) دیندار بننے کے لئے تحقیقات۔

(۴) پانچ اخلاقی طاقتیں

(ا) ایمان

(ب) ہمت

(ج) یادداشت (حافظہ)

(د) تصور (سمادھی)

(ہ) الہام (باطنی دانش)

(۵) سات دانشیں

(ا) ہمت

(ب) حافظہ

(ج) تصور

(د) تحقیقات کتب مقدس

(ہ) نشاط

(و) استراحت

(ز) سلیم الطبعی

(۶) آٹھ اعلےٰ طریقے

(ا) صدق عقیدت

(ب) صدق ارادت

(ج) راستگوئی

(د) راستبازی

(ہ) حلال روزی

(و) صادق العزمی

(ز) صادق توجہ

(ح) صادق تصور

یہ درمیانی طریقہ کہلاتا ہے یعنی اول تو وہ حقیر بھدے۔ شہوانی بیہودہ اور بے سود اشغال سے پاک ہے جن سے کمزور خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔ دوم وہ زاہدانہ نفس کشیوں پر اعتماد کرنے سے مبرّا ہے جو بے فائدہ اور دردناک ہیں۔

نیک زندگی کا درمیانی طریقہ چار خاص اصولوں سے جو چار اعلےٰ اصول کہلاتے ہیں نکالا گیا ہے یعنی (۱) تکلیف (۲) اسباب تکلیف (۳) انسداد تکلیف (۴) طریقہ انسداد تکلیف

(۱) تکلیف۔ انسان کی پیدائش۔ بالیدگی۔ بوسیدگی۔ بیماری۔ موت۔ سب تکلیف سے مملو ہیں۔ جن چیزوں سے بچنا ممکن نہ ہو اُن سے پرہیز کرنے کی کوشش کرنی تکلیف دہ ہیں جو چیزیں میسر نہ آسکیں اُن کے ملنے کی خواہش کرنی ایذا رساں ہے المختصر وہ دلی کیفیتیں جو وقوف شخصیت اور اپنی ہستی کو علیحدہ سمجھنے میں پائی جاتی ہیں سب تکلیف اور اذیت کی حالتیں ہیں

(۲) اسباب تکلیف ظاہری دنیا کے افعال کا اثر حواس پر پڑنے سے نفس کا بھڑکنا۔

حواس کو تسکین دینے والی شے کی آرزو پیدا ہونا۔ اور خود ظاہر ہونے والی شہوت انگیز اشیار کے دیکھنے کی خواہش پیدا ہونا رنج و تکلیف کے اسباب ہیں

(۳) انسداد تکلیف مذکورہ بالا خواہشوں اور شہوتوں پر پورے طور سے فتحیابی حاصل کرنا تکلیف کا انسداد ہے۔

(۴) طریق انسداد تکلیف اوپر کے لکھے ہوئے آٹھ اعلےٰ طریقے تکلیف روکنے کے طریقے ہیں بُدھ فرماتے ہیں" اس طریق میں قدم رکھنے سے جملہ تکالیف کا خاتمہ ہو جاتا ہے میں نے یہ طریقہ اس بات کو دریافت کر کے تلقین کیا ہے کہ پیکان غم کی کھٹک دل سے کیونکر ہٹ سکتی ہے تم کو خود اس معاملہ میں کوشش کرنی چاہیئے۔ بُدھ صرف تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ جو ہوشمند اس طریق میں قدم رکھتے ہیں۔ وہ فریب دینے والوں کے دام تزویر سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

وہ کون طریق ہے؟ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ اس طریق کے آٹھ حصے ہیں یعنی صدق عقیدت صدق ارادت وغیرہ وغیرہ۔

طریق مذکور میں ذیل کے چار مرحلے بھی ہیں

پہلا مرحلہ جب انسان کو چار اعلےٰ اصول تکلیف۔ اسباب تکلیف وغیرہ معلوم ہو جاتے ہیں تو وہ مذہب کا معتقد ہو جاتا ہے۔ جن ذریعوں سے ان اصول کا علم ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) نیکوں کی صحبت (۲) قانون مذہبی کا سننا (۳) محققانہ غور و فکر (۴) نیکی کی مشق کرنا۔ اس سے پہلے مرحلہ میں انسان (۱) مغالطہ خودی و خود بینی (۲) بُدھ کے وجود اور بودھ مذہب میں شک کرنے اور (۳) دینی رسوم اور مذہبی آئین کی تاثیرات کے قائل ہونے سے مبرا ہو جاتا ہے

دوسرا مرحلہ شکوک۔ خودی اور دینی رسوم کے مغالطوں سے آزاد ہو کر اس مرحلہ میں انسان کی شہوانی قوت۔ نفرت۔ اور مغالطہ بہت کچھ دور ہو جاتے ہیں۔

تیسرا مرحلہ اس مرحلہ میں رہی سہی بداندیشی۔ اور شہوت پرستی بھی فنا ہو جاتی ہے اور پھر کوئی کم درجہ کی خواہش ذاتی یا دوسروں کی بدخواہی دل میں پیدا نہیں ہوتی۔

چوتھا مرحلہ یہ آٹھوں کا مرحلہ ہے اس میں انسان کو ژرف نگاہی حاصل ہوتی ہے جس سے وہ مادی یا غیر مادی ہستی۔ غرور۔ اتقا بے علمی سب سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

بُدھ مذہب کی طریقت کا یہ مختصر بیان ہے حصول نجات کے لئے بُدھ نے یہی طریقہ ایجاد کیا ہے راحت ابدی کے مندر کی یہی سیڑھیاں ہیں۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بُدھ نے اپنے پیرووں کے گروہ کو دو جداگانہ حصّوں میں تقسیم کیا تھا یعنی بُدھ دیندار اور بُدھ دنیا دار۔ بدھ دینداروں کے لئے جفاکشی کے قواعد وضع کئے تھے اور بُدھ دنیا داروں کے واسطے دلپذیر اخلاقی نصائح۔ اب ہم چند دنیا داروں کے اخلاقی نصائح درج کرتے ہیں مفصلہ ذیل دنیا داروں کے خاص فرائض ہیں۔

اب میں وہ طرز معاشرت جو دنیا داروں کو اختیار کرنی چاہیئے لکھتا ہوں اور وہ طریقے جن کو دنیا دار مرید اچھی طرح برت سکتے ہیں بیان کرتا ہوں۔ جو فرائض زاہدوں کے لئے مخصوص ہیں انھیں عیال دار ادا نہیں کر سکتے۔

دنیا دار کو چاہیئے کہ کسی جاندار کو قتل نہ کرے بلکہ کسی قسم کی اذیت نہ پہونچائے عام اس سے کہ وہ جانور قوی ہو یا ضعیف۔ اور قاتلوں اور موذیوں کا ایسا فعل روا نہ رکھے ؎

میازار مورے کہ دانہ کش ست کہ جاندار د و جان شیریں خوش ست

دنیا دار مرید کو چاہیئے کہ وہ کسی جگہ کوئی چیز نہ خود چرائے نہ کسی دوسرے کو چرانے دے اور چوروں کا یہ فعل پسند نہ کرے۔ غرضکہ ہر قسم کی چوری سے احتراز کرے ؎

غناء طبع بو د کیمیائے روحانی چو نیست مال میسر بدل تونگر باش

عقلمند کو چاہیئے کہ شہوت پرستی کو جلتے ہوئے انگاروں کی بھٹی سمجھ کر اُس سے گریز کرے۔ اگر کوئی شخص عالم تجرید میں زندگی بسر نہیں کر سکتا تو اُسے زناکاری بھی نہ کرنی چاہیئے

نشاید ہوس باختن با گلے کہ ہر بامدادش بو د بلبلے

اگر کوئی شخص شاہی مجلس میں جائے یا کسی سرکاری تحقیقات کے لئے طلب کیا جائے تو وہ خود بھی دروغ و ناراستی سے بچے اور دوسرے کو بھی جھوٹ نہ بولنے دے غرض ہر قسم کی دروغ گوئی سے پرہیز کرے ؎

راستی موجب رضائے خداست کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

دنیا دار کو واجب ہے کہ مسکرات اور اشیاء نشی کے استعمال سے خود بھی پرہیز کرے اور

دوسروں کو بھی پرکیف شراب پلائے۔ میخواروں اور ستکاروں کے افعال کو پسند نہ کرے ایسے شخصوں کو جو بادہ گساری کو دین وایمان سمجھتے ہیں جاننا چاہیئے کہ تمام نشہ آور چیزیں انسانی حواس کو معطل کردیتی ہیں ؎

ہو بادہ کشی پر نہ جو انو مفتوں گردن پہ نہ لو عقل خداداد کا خوں

دنیا داروں کے فرائض پر ذیل کے قواعد بہت پسندیدہ ہیں۔

عامُ فرائضُ

(۱) والدین اور اولاد کے فرائض

والدین کو چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد کو

(۱) بُرے کاموں سے بچائیں۔

(۲) نیکی کرنا سکھائیں۔

(۳) علوم فنون کی تعلیم دلائیں۔

(۴) لڑکوں کے لئے لایق بیویاں اور لڑکیوں کے لئے قابل شوہر تلاش کریں۔

(۵) ورثہ اور ترکہ دیں۔

لڑکے کو کہنا چاہیئے کہ

(۱) میں اُنکی مدد کرونگا جنھوں نے میری پرورش کی ہے۔

(۲) میں اُنکے لازمی فرائض خانہ داری ادا کرونگا۔

(۳) میں اُنکے مال واسباب کی حفاظت کرونگا۔

(۴) میں اپنے آپ کو اُنکے وارث ہونے کے قابل بناؤنگا۔

(۵) میں اُن کی وفات کے بعد اُن کی یاد تعظیم وتکریم سے کرونگا۔

(۲) شاگرد اور استاد کے فرائض

شاگرد اپنے اُستادوں کی تعظیم وتکریم اس طرح کریں۔

(۱) اُن کے روبرو مودبانہ کھڑے ہوں۔

(۲) اُن کے خلیفہ کی طرح کام کریں۔

(۳) اُن کے حکم کو مانیں۔

(۴) اُن کی ضروریات کو رفع کریں۔

(۵) اُن کی تعلیم و تلقین پر توجہ کریں۔

استاد اپنے شاگردوں پر شفقت و الفت یوں ظاہر کریں کہ

(۱) انھیں ایسی تعلیم دیں جس سے اُن کا علم دیرپا ہو۔

(۲) اُنھیں اچھی باتیں سکھائیں۔

(۳) اُنھیں علوم و فنون اور عقل و شعور کی تعلیم دیں۔

(۴) اُن کے ساتھ اور اُن کے اعزہ اور احباب کے ساتھ لطف آمیز گفتگو کریں۔

(۵) اُنھیں خطرہ سے محفوظ رکھیں۔

۳۔ شوہر اور زن کے فرائض

شوہر کو اپنی بیوی سے یوں پیار کرنا چاہیئے

(۱) اُس کے ساتھ عزت سے پیش آئے۔

(۲) اُس پر مہربانی رکھے۔

(۳) اُس کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

(۴) اُس کی دوسروں سے عزت کرائے۔

(۵) اُسے مناسب زیور اور موزوں پوشاک پہنائے۔

بیوی کو اپنے شوہر سے یوں محبت کرنی چاہیئے

(۱) امور خانہ داری کو درستی کے ساتھ انجام دے۔

(۲) اہل خاندان اور دیگر اعزہ کی مہمانداری کرے۔

(۳) عفت و عصمت کے ساتھ اپنے شوہر کی محبت میں ثابت قدم رہے۔

(۴) اصراف خانہ داری میں کفایت شعاری کرے۔

(۵) جو کام اُسے کرنے ہوں اُن میں عقل و ہوشیاری دکھائے۔

۴۔ دوست اور ہمدموں کے فرائض

انسان کو اپنے دوستوں کے ساتھ یوں برتاؤ کرنا لازم ہے۔

(۱) اُن کو تحائف اور ہدیہ دے۔

(۲) اُن کے ساتھ تہذیب سے بات چیت کرے۔

(۳) اُن کی اغراض اور دلچسپی کو بڑھاتا ہے۔

(۴) اُن کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرے۔

(۵) اپنی خوش قسمتی میں اُن کو شریک کرے۔

دوستوں کو اُس کے ساتھ یوں اتحاد ظاہر کرنا چاہیئے

(۱) تنہائی میں اُس کی حفاظت کریں۔

(۲) بے خبری میں اُس کے مال واسباب کی نگرانی کریں۔

(۳) خطرہ کی حالت میں اُس کو پناہ دیں۔

(۴) مفلسی اور بدقسمتی میں اُس کا ساتھ دیں۔

(۵) اُس کے اہل وعیال کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں۔

۵۔ آقا اور ملازمین کے فرائض

آقا اپنے متعلقین کی خوش حالی کے لیئے حسب ذیل انتظام کرے

(۱) اُن کی طاقت کے موافق کام کی مقدار معین کرے۔

(۲) اُن کو مناسب کھانا اور حق الخدمت دے۔

(۳) اُن سے لطف وعنایت سے پیش آئے۔

(۴) غیر معمولی دقیق امور میں اُن کا ہاتھ بٹائے۔

(۵) کبھی کبھی اُنھیں تعطیل دیا کرے۔

ملازمین کو اپنے آقا کی خدمت اس طرح کرنی چاہیئے

(۱) آقا کے روبرو تعظیم کے لئے اُٹھیں۔

(۲) اُس کے استراحت فرمانے کے بعد سونے کو جائیں۔

(۳) جو کچھ وہ دے اُس پر قانع رہیں۔
(۴) خندہ پیشانی سے ٹھیک ٹھیک کام کریں۔
(۵) اپنے آقا کی نسبت اچھے کلمے مونہہ سے نکالیں۔

(۶) دنیاداروں اور دینداروں کے فرائض

دنیادار گداگروں اور برہمنوں کی اطاعت و عزت کریں

(۱) محبت آمیز الفاظ سے۔
(۲) محبت آمیز اقوال سے۔
(۳) محبت آمیز خیالات سے
(۴) اچھی آؤ بھگت سے۔
(۵) اُن کی دنیوی ضرورتیں رفع کرنے سے۔

زاہد دنیاداروں سے یوں محبت کریں

(۱) اُنھیں بُرے کاموں سے باز رکھیں۔
(۲) نیک کاموں کی ہدایت کریں۔
(۳) اُن پر مہربانی کی نظر رکھیں۔
(۴) اُنھیں مذہب کی تعلیم دیں۔
(۵) اُن کے شکوک رفع کریں۔
(۶) اُنھیں بہشت کا رستہ بتائیں۔

اس قسم کی دلپذیر اخلاقی پند و نصائح ہم اور بھی بہت سے درج کر سکتے تھے مگر وہ طوالت کتاب کے خیال سے قلم انداز کئے گئے۔ صرف اتنا ہی کہدینا کافی ہے کہ قریب قریب کل اخلاقی نصائح جن کی دنیا میں پابندی کی جاتی ہے بدھ ہی کے وضع کئے ہوئے ہیں۔

یہاں سے بدھ مذہب کی جماعت کبرے کے حالات مختصر طور پر لکھے جاتے ہیں۔

داخلہ اس بڑے گروہ میں داخل ہونے کے لئے سائل کی خواہش کے سوا اور کسی سند یا وثیقہ کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اُسے ظاہر کرنا ہوتا تھا کہ وہ امراض متعدی

اور عوارض ذی نوائب میں مبتلا نہیں ہے. اُسے تپ دق نہیں ہے. وہ کسی کا غلام یا مقروض نہیں ہے۔ اور اُس نے گروہ میں داخلہ کے واسطے اپنے والدین کی رضامندی اور اجازت حاصل کرلی ہے۔ داخلہ کے وقت سائل کو پہلے سر منڈوانا پڑتا تھا اور نارنجی رنگ کے کپڑے پہن کر گوشہ نشینی اختیار کرنی ہوتی تھی۔

خوراک کوئی زاہد علاوہ طلوع خورشید وماہ کے درمیانی وقت کے جسمانی طاقت برقرار رکھنے کے لئے کسی اور وقت کھانا نہیں کھا سکتا تھا۔ میخواری سے پرہیز کرنا اُسکا فرض لازمی تھا۔ عموماً زاہدوں کو اپنا رزق بہم پہونچانے کے لئے جھولی لیکر بھیک مانگنی پڑتی تھی بھیک مانگنے کا یہ طریقہ تھا کہ زاہد دروازوں پر جاکر کھڑے رہتے مگر سوال نہ کرتے اگر کوئی شخص جھولی میں کچھ ڈالدیتا تو وہ دعائیں دیتے ہوئے آگے کو بڑھ جاتے جب وقت کا فی کھانا ہوجاتا وہ اپنے قیام گاہ کو چلے جاتے اور جو کچھ ملتا اُسے کھا لیتے۔

پوشش مکان اور پیشہ کی بابت بُدھ نے کوئی سخت قید نہیں لگائی اُن کے زاہد تین ٹکڑے نارنجی رنگے ہوئے کپڑے کے پہنتے اور جہاں چاہتے وہاں رہتے مگر عموماً وہ بڑی بڑی خانقاہوں میں جو دنیا دار پیروؤں نے تعمیر کرائی تھیں رہتے تھے۔

بودھ مذہب کے رہنے سہنے کا طریقہ حسب ذیل تھا

وہ سپیدۂ صبح کے نمودار ہونے سے پہلے اُٹھ کر بہار (خانقاہ) میں جھاڑ دیتے تھے کوڑا کرکٹ صاف کرتے۔ دن کے پینے کا پانی بھر لاتے اور صافی سے چھان کر رکھدیتے پھر گوشہ میں جاکر اپنے دستور العمل پر غور کرتے۔ تھوڑی دیر بعد جھولی اُٹھاکر اپنے سرگروہ کے ہمراہ روزانہ پھیری کے واسطے جاتے واپس آکر اُس کے پاؤں دھونے کے لئے پانی لاتے اور جھولی اُس کے سامنے رکھدیتے۔ کھانے سے فارغ ہوکر اپنی جھولیاں پانی سے دھوکر صاف کرتے جب تقریباً ایک گھنٹہ گذر جاتا نوشت وخواند شروع کرتے. کوئی مذہبی کتاب پڑھتے یا کسی دینی رسالہ کی نقل کرتے اور جو مضامین سمجھ میں نہ آتے اُنھیں اپنے سرگروہ سے دریافت کر لیتے. غروب آفتاب سے قبل وہ پھر خانقاہ کو جھاڑتے اور چراغ روشن کرکے اپنے سرگروہ کی تعلیمات رجوع قلب سے سنتے یا آئین دین کے مضامین کا آموختہ پڑھتے

جو چیزیں میسر ہوتیں اُنھیں پر قانع رہتے۔ غرور و تکبر دور کرتے جسمانی حسن زبانی حلاوت اور دلی نیکی پیدا کرنے کو ہمیشہ مدنظر رکھتے۔

یہ بدھ مذہب کے حالات تھے۔ اب ہم دکھائینگے کہ مذہب مذکور نے بنی نوع انسان پر عموماً کیسا اثر ڈالا۔

پینتالیس برس تک گوتم کا سارا انہماک رسالت کے کاموں میں رہا۔ اُنھوں نے ہر فرد بشر کو دینیات کی یکساں تعلیم کی۔ مذہب کی اشاعت کے لئے ہر سمت میں آدمی بھیجے مدرسۃ العلوم اور خانقاہوں کا انتظام کیا۔ اور کل روئے زمین پر اپنا مذہب پھیلایا۔ ترویج دین کے لئے اُن کے زاہد مشرق میں چین مغرب میں یورپ شمال میں تاتار اور جنوب میں جزیرہ سراندیپ تک پہونچے۔ بودھ مذہب کو ہر جگہ لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور سیکڑوں ہزاروں آدمی مذہبی جھنڈے کے تلے آ آ کر جمع ہو گئے۔ اس قبولیت عام کا سبب تھا کہ یہ مذہب نہایت سادہ اور خالص تھا اس میں چھوٹے بڑے سب برابر تھے۔ ذات قوم رتبہ درجہ عام خاص برہمن چنڈال کی کوئی تمیز و تفریق نہ تھی۔ اس میں بھاری قربانیاں سخت نفس کشیاں۔ پجاریوں کی ایذا رسانیاں بالکل نہ تھیں۔ اس میں طہارت و اخلاق کی قدر و منزلت اور عشق عالم کی ہدایت کی جاتی اور ہر شخص کو نجات حاصل ہونے کی امید دلائی جاتی تھی جس مکان میں اس مذہب کا زاہد ایک دفعہ بھی بھیک مانگنے گیا اُس کے مکینوں نے مذہب مذکور فوراً بکشادہ پیشانی قبول کر لیا۔

بُدھ نے اپنے گروہ کا انتظام ایسا اچھا کیا تھا کہ اُن کی وفات کے بعد بھی اُن کے مقلدین نے اُن کے اعلےٰ کاموں کو جاری رکھ کر اُن کا مذہب دور دور تک پھیلایا کوہ ہمالیہ کے برفستانی سلسلہ سے لیکر جزیرہ نما کے جنوبی حد تک اور دریائے سندھ سے دریائے برہمپتر تک اہل ہند نے بودھ مذہب اختیار کر لیا۔ ہند کے باہر بھی مشرق میں بحر الکاہل اور مغرب میں بحر ظلمات تک اس مذہب نے تمام ملکوں میں رواج پایا۔ تبت اور تاتار کے باشندے اور شمال بحر منجمد کی آبادیاں سب اس مذہب کی پیرو ہو گئیں۔ المختصر ایشیا کے رہنے والے اس سمندر سے اُس سمندر تک بودھ مذہب کے معتقد ہو گئے۔

یہ سب بدھ کی ذاتی تعلیمات و تلقینات اور اُن کے بے ہمتا مذہب پھیلانے والوں کی بے تکان کوششوں کے نتائج تھے۔ مگر اُنھیں پر بس نہیں ہوئی۔ اُن کے مذہب نے یورپ بلکہ تمام دنیا کی علم و تہذیب پر ضمناً اثر ڈالا۔ مذہب مسیحی بودھ مذہب سے نکلا۔ یسوع مسیح نے بدھ مذہب کی تعلیم[۱] پا کر اُس کے اخلاقی اصول کے وعظ دیئے اور اُن کے کل مریدوں نے بدھ گروہ کے زاہدوں کے قواعد کی پیروی کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ساڑھے سات سو برس بعد ایک سربر آوردہ شخص نے جو مسیحی دنیا میں سینٹ جان دمشقی کے نام سے مشہور و معروف تھا ایک کتاب "برلعام جوزفات" لکھ کر شائع کی مشہور ہے کہ برلعام جوزفات کے رسالے نے درمیانی صدیوں میں بے حد قبولیت عام حاصل کی۔ لوگوں نے اُس کی یہاں تک قدر کی کہ سریانی عبرانی عربی حبشی ارمنی السنہ مشرقیہ اور لاطینی۔ فرانسیسی اطالیہ جرمنی انگریزی ہسپانیہ۔ بوہیمین۔ پالش وغیرہ السنہ مغربیہ میں اُس کا ترجمہ ہوا شروع [illegible] میں وہ آئسلینڈ کی بولی میں اور کچھ دنوں بعد جزائر فلیپائن کی زبان میں لکھی گئی۔ یہ امر مسلم ہے کہ اس مشہور کتاب نے تمام یورپ پر نیکی اور پاکدامنی کے سکے بٹھانے میں بڑی مدد دی اگر جوزفات کا مشہور و معروف قصہ جو یورپ کے ہر خاندان میں پڑھا جاتا ہے نہ لکھا جاتا تو شاید دین مسیحی مغرب کے سرد ملکوں میں اسقدر جلد نہ پھیلتا۔ اہل یورپ اور عیسائی مذہب نے جوزفات کی اسقدر تقدیس و عظمت کی کہ اُسکو سینٹ کا رتبہ دیا۔ مشرقی کلیسا میں ۲۶ اگست سینٹ جوزفات کے تیوہار کا دن ہے اور روم کی سیر الشہدا میں اس تقریب کے لئے ستائیسویں نومبر مقرر ہے۔

جان دمشقی مصنف قصہ برلعام جوزفات لکھتا ہے کہ سینٹ جوزفات ایک ہندی بادشاہ کا بیٹا تھا مگر وہ بعد کو گوشہ نشین ہو کر زاہد مرتاض ہو گیا۔ اسکے ساتھ ہی اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اس قصہ کو اُن لوگوں کی زبانی سنا تھا جو ہند سے آئے تھے۔

---

[۱] یہ محض مصنف کا حسن ظن ہے جس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں مل سکتا۔ شبلی نعمانی۔

اب بلا شک و شبہ یہ ثابت ہو گیا کہ جوزفات جس کے معنی "بُدھی ستو" کے ہیں گوتم بُدھ کپل وستو کے سوا اور کوئی شخص نہ تھا دیکھو مؤکس مولر کی کتاب "مائیگریشنس آف فلیبس" جوزفات کا قصہ تمام و کمال بُدھ کی سوانح عمری سے جو للت بستار میں درج ہے ایسا مشابہ ہے کہ یا تو مصنف نے کتاب للت بستار خود مطالعہ کی ہو گی یا کسی ایسے شخص سے سُنی ہو گی جس نے اُسے پڑھکر اُسکے مضامین پورے طور پر تفصیلوار حفظ کر لئے ہونگے۔

بُدھ کی وفات کو غالباً ایک ہزار تین سو برس کا عرصہ گذرا چکا ہے اُنکے مذہب میں اسقدر تبدل ہو گیا ہے کہ پہچانا نہیں جاتا۔ اُن کے سیدھے سادے پاک عقائد دینی بدل کر بعید الفہم مذہبی قواعد ہو گئے ہیں۔ مگر اب بھی انسانی خلقت کا ایک ثلث حصہ انھیں اپنا خدا مان کر اُن کی عبادت و پرستش کرتا ہے۔ گو اُن کا مذہب ہندوستان سے مفقود ہو گیا تاہم لوگ اُنھیں نہیں بھولے ہیں اور اُن کی ویسی ہی قدر و عظمت کرتے ہیں۔ اُن کو خدا کا ایک اوتار تسلیم کیا گیا ہے اور جمیع مذاہب موجودہ میں اُن کے مذہب کی روح پھونکی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یورپ میں بھی وہ زمانہ آئیگا جب مذہب مسیحی بودھ مذہب کی احسانمندی اور شکرگزاری کا دین ادا کریگا اور اس وقت بھی بدھ مہاراج معزز سینٹ جوزفات ہندی کے قالب میں وہاں موجود ہیں۔

سلہ صفحہ ۲۰۲ سطر ۲ میں تحریر ہے کہ بُدھ کی وفات کو تقریباً پندرہ سو برس گذر چکے تھے مگر زمانہ موجودہ میں صرف ایک ہزار تین سو برس کا عرصہ گذرنا بتایا گیا ہے شاید یہ مصنف صاحب سہو سے لکھ گئے ہیں۔ مترجم

تتمہ

دیگر رہنما

ہم بیان کر چکے ہیں کہ چار بڑے رہنماؤں کے علاوہ جنھوں نے ہمیں راہ بہشت دکھائی چند اور رہنما بھی گذرے ہیں۔ ان رہنماؤں نے اپنے ظہور سے سرزمین ہند کو متبرک مقام بنا کر دینی اصول اعظم کو جزاً یا کلاً سمجھانے کے لئے وعظ کہے۔ مگر اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ کم درجہ کے رہنما تھے۔ جن پاک قالبوں میں نور الٰہی خاص کاموں کے لئے جلوہ گر ہوا اُن میں فرق بتانا انسانی طاقت سے خارج ہے۔ ہاں اُن بزرگوں کی سوانح عمریوں اور تعلیمات کے مطالعہ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن اور بدھ کے اصول دینی کی صراحت کرنے کے لئے ان کا ظہور ہوا تھا۔ رہنمایان موصوف کی تعلیمات میں جو اختلاف پڑ گئے تھے اُنھیں دور کرنے کے لئے وہ آئے تھے اور مذاہب کے پیرؤوں کے جھگڑے رفع کرنے کے لئے وہ پیدا ہوئے تھے۔

اشاعت دین کی دراز زندگی کے بعد بُدھ نے دنیا سے رحلت کی گر اُن کے ساتھ اُنکا مذہب مفقود نہیں ہوا۔ اُن کے عزیز مریدوں نے اُن کے اصول قائم رکھکر دُور دُور تک مذہب پھیلایا۔ تقریباً بدھ کی وفات کے تین سَو برس بعد سلطنت مگدھ کا بادشاہ اسوک بُدھ کا بڑا مجتہد پیرو ہوا۔ اُسنے بدھ مذہب کی اشاعت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور زر خطیر صرف کر کے بڑی سرگرمیاں دکھائیں۔ کوہ ہمالیہ سے بحر ہند تک کل ملک کو بودھ مذہب نے ڈھانک لیا اور ممالک اجنبیہ میں بحر الکاہل تک پھیل گیا۔ مگر یہ وسعت اور اشاعت اُس کے روحانی اصول کی بربادی اور خرابی کا باعث ہوئی۔ اس درخت کی جڑ کو دوران زمانہ کی دیمک لگ گئی یعنی مدت مدید میں جب یہ مذہب قریب قریب نصف دنیا میں پھیل گیا تو اُس کی حالت حد اعتدال سے بڑھ گئی اور سادگی اور پاکیزگی جو اُس کے اصلی اصول تھے محو و فراموش ہو گئی کہ وہ پیچیدہ شرک بعید الفہم اقوال اور باطل بت پرستی کا ذخیرہ بنکر کچھ سے کچھ ہو گیا۔

بُدھ مذہب نے آریہ مذہب کی عمارت کو ڈھا دیا۔ بُدھ کی پیدائش سے بہت پہلے سری کرشن کی تعلیمات فراموش ہو چکی تھیں اور سیدھے سادے مذہب کی جگہ دنیا میں بیحد ارفلسفے اور ادق الٰہیات رائج ہو چکے تھے۔ پس مذہب کی گئی ہوئی سادگی کو از سرِ نو پیدا کرنے اور مذہبی شمع کی دھیمی روشنی تیز کرکے اصول دینی کی تشریح کرنے کے لئے بُدھ کا اوتار ہوا مگر افسوس اُن کے مذہب کا بھی وہی حشر ہوا زمانہ کی رفتار نے اسے بھی گرداب انحطاط میں ڈال دیا اور مرشدانہ تعصب۔ جاہلانہ بدعت کا طوفان اسے بہالے گیا۔

بُدھ کی وفات کے بعد ایک ہزار برس کے اندر اندر ہند کی یہ حالت ہوگئی کہ نہ سری کرشن کا مذہب باقی رہا نہ بُدھ کا۔ ہندوؤں کے مذہبی تعصبوں اور بدعتوں نے سر اُٹھایا۔ بودھ مذہب کی عظمت و شان نے اُنکو نیچا دکھایا۔ اُدھر ہزاروں صورتوں میں خدا کا ظہور دکھایا گیا اِدھر مطلق اُس کا خیال بھلایا گیا۔ اُدھر ہمہ اوست کا مسئلہ ذہن میں آیا۔ اِدھر دہریہ پن دلوں میں سمایا۔ غرض اسی حیص بیص میں مذہب کی سادگی ہاتھ سے جاتی رہی۔

رحیم مطلق اور عالم ایجاد کا مالک بنی نوع انسان کو اس مصیبت و بیکسی کی حالت میں ذلیل و خوار نہ دیکھ سکا اور اُس نے ایک انسانی قالب میں جلوہ فرما کر ہنود اور بُدھ کے مذاہب کو موت کے مونہہ سے نکال لیا۔ یہ قدسی صفات بزرگ "شنکر اچارج" تھے۔ اُنھوں نے قدیم آریہ مذہب اور جان بلب بودھ مذہب کی تمام خوبیاں اور عمدہ اصول ایک جگہ مجتمع کر کے اُنھیں ایک فلسفہ ایک علم الٰہی اور ایک مذہب میں ترتیب دیا۔ المختصر شنکر اچارج کے ظہور سے بُدھ مذہب کے بعید الفہم دینی قواعد اور ہندو مذہب کے فلسفیانہ اقوال یک ساتھ غائب ہو گئے مگر اُنھوں نے بُدھ کی تعلیمات کا اصل اصول "انسان ذاتی تربیت سے فنا فی اللہ کا درجہ پا سکتا ہے" قائم رکھا اور اسی بنیاد پر اپنے فلسفہ کی عمارت اُٹھائی اُنھوں نے ہر مذہبی کتاب سے یہ اصل اصول ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں پر بیشمار تفسیریں لکھ کر دکھایا کہ اس دعوے کو ہر شاستر میں ثابت کیا ہے۔ مگر آخر کار جو سبب بودھ مذہب کو نشرک سمجھنے کا ہوا تھا وہی شنکر کے مذہب پر صادق آیا۔ اُن کا مذہب کم از کم اُنکا اصل اصول مذہبی بھی بعید الفہم ثابت ہوا اور بدستور سابق انسان دینی بدعتوں کی تاریکی میں ٹامک ٹوئے

مارنے لگے۔

رحیم مطلق کو پھر شکل انسان اختیار کرنی لازم آئی۔ اس مرتبہ وہ بزرگ جنکے قالب کو نورِ خدا نے پاک کیا۔ راماننج تھے۔ جو باتیں شنکراچارج سے رہگئی تھیں اُنھیں پورا کرنے کے لئے انکا ظہور ہوا اُنھوں نے قریب القیاس اور قابل الادراک خدا کا مرقع کھینچکر انسان کے سامنے رکھ دیا۔

مگر انسان کے لئے خداشناسی ناممکن امر ہے یعنی جب تک عشق و محبت پرستش و التجا شکر و ثنا کے لئے خدا کی کوئی حسی شکل نہ ہو انسان خوش حال نہیں ہوتا اور جہل و تعصب اُس کا دامن نہیں چھوڑتے اس لئے راماننج نے زمانہ کے مقبول اور اعلےٰ ہیرو رام کے سرپر اُلوہیت کا تاج رکھکر شنکر کی تقدیر کلام کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

مگر افسوس انسان جہالت اور باطل عقائد ہی کو پسند کرتا ہے لہذا اُسے اُس کی پست ہمتی سے شنکر اور راماننج امان نہ دے سکے۔

مذہب جو ہندوستان کا ذریعہ عزّ و افتخار تھا مفقود ہوگیا اور یوں ہند میں عرصہ تک لامذہبی کا زمانہ رہا۔ اسی زمانہ میں مذہب اسلام مغرب کی جانب سے ہند میں داخل ہوا اس مذہب نے بت پرستی مٹا کر خدا کی وحدانیت ظاہر کی۔ ہند میں ایسی ابتری ہوگئی تھی کہ اہل ہند اپنے رہنماؤں کے اقوال کو بھول کر تینتیس ۳۳ کروڑ دیوتا اور دیوؤں کو ماننے لگے اپنی نادانی کے سبب سے اُنھوں نے وحدانیت کے اصول اعظم کو مسلمانوں کی ایجاد سمجھا جو مغربی بیابانوں سے خاک اُڑاتے ہوئے ہند میں وارد ہوئے تھے مگر اسلام کو بھی ہند میں آکر ہندو مذہب کی طرح اسی خرابی کا سامنا ہوا۔ یہ انسانوں کی نہایت وحشی اور متعصب فرقہ کا مذہب ہوگیا جس کے حملوں اور فرمانروائی سے ہندوستان بہت برسوں تک تباہ و برباد رہا۔

ایک مرتبہ پھر سچے مذہب نے عود کرنے کی کوشش کی اور قریب قریب ایک ہی زمانہ میں تین متبرک قالبوں میں خدا تعالیٰ کا نور جلوہ نما ہوا۔ اور رامانند نے بنارس کی خاک سے اُٹھکر ہندو مذہب کے تین بڑے عقیدوں پرستش قومیت اور بت پرستی کے خلاف وعظ دیئے۔ وہ تمام قسم کی پوجا اور قربانیوں کے مخالف تھے اور کہتے تھے

کہ مسئلہ صلح کل اور عشق الٰہی ہی صرف ذریعہ نجات ہیں۔
دوسرے مقدس بزرگ گورکھ ناتھ پنجاب میں ہوئے اُنھوں نے رامانند کی تعلیمات کو دہرایا اور پجاریوں۔ قومیت اور دیوتاؤں کی کثرت کے خلاف وعظ کہا اُنھوں نے بھی دنیا میں مسئلہ صلح کل اور آسمان پر ایک خدا کا ہونا بیان کیا۔ مگر چونکہ انسان کے لئے خدا کا پہچاننا دشوار تھا اس لئے شیو کو قابل پرستش قرار دیا۔
اب بھی ہندوستان میں بت پرستی دیوتاؤں کی کثرت مذہبی پیچیدگیاں دینی بدعتیں پجاریوں کا تعصب قومیت کے جھگڑے اور اسی قسم کی مرشدانہ جبر و تعدیاں ویسی ہی تھیں لہذا تیسرے بزرگ کبیر نے انسانی خلقت کے نہایت ادنےٰ طبقہ سے پیدا ہو کر ظاہر کیا کہ صرف عشقِ عالم حصول نجات کا ذریعہ ہے۔
یوں یکے بعد دیگرے پانچ مقدس بزرگ شنکراچارج۔ رامانج۔ رامانند۔ گورکھ ناتھ اور کبیر نے مذہب کی جھلملاتی ہوئی شمع کی روشنی تیز کر کے سری کرشن اور بدھ کے اعلےٰ اصول دینی کی صراحت کی مگر اُن کی مجتہدانہ کوششیں جزوی طور پر مشکور ہوئیں کیونکہ اُنکی رسالت کا منشاء اعلےٰ اصول کی جزءاً تشریح کرنے کا تھا لہذا انھوں نے وہی کیا جسکے لئے وہ پیدا ہوئے تھے۔
گو بہت سے سنت اور رشی پیدا ہوئے اور بہت سے رہنماؤں نے اعلےٰ اصول مذہبی کے وعظ کہے تاہم دنیا میں جرم و گناہ کے رستے بند نہ ہوئے۔ لوگوں نے نیک کام کو چھوڑ کر بدکرداری اپنا شعار کر لیا تو خدائے غفور الرحیم نے نیکوں کی حمایت اور بدکرداروں کی بربادی کے لئے پھر ایک اعلیٰ رہنما کی شکل میں ظہور فرمایا۔
یہ اعلےٰ رہنما نودیپ کے نیمے چتین تھے۔ اصل میں وہ دوسرے بدھ تھے چتین کے معنی بھی روشن ضمیر کے ہیں اس لئے چتین اور بدھ مرادف اور ہم معنے الفاظ ہیں مگر حیات چتین کے لکھنے سے پہلے ہم مذکورہ بالا پانچ مقدس رہنماؤں کے حالات اور تعلیمات مختصراً درج کرتے ہیں۔

شنکراچارج

نویں صدی کے شروع میں شنکراچارج ملک دکن کے قصبہ چیتامبرم میں پیدا ہوئے مگر انکے لڑکپن کا زمانہ مولد میں نہیں گذرا کیونکہ وہ بارہ برس کی عمر میں مع اپنی والدہ کے مالابار میں رہتے تھے۔ اُنکے والد اُنکی صغر سنی ہی میں راہی ملک عدم ہو گئے اور جب اُنھوں نے ہوش سنبھالا دنیا میں بجز اپنی ذات خاص کے کوئی مربی سرپرست اتنا بھی نہ پایا کہ اُن کی تعلیم کا بندوبست کرتا۔ ماں کے پاس اسقدر بضاعت بھی نہ تھی کہ حوائج ضروری کو کافی ہوتی مگر اس نیک بی بی کی طبیعت ایک خاص قسم کی واقع ہوئی تھی۔ اُس نے شنکر کی تعلیم میں بڑی توجہ کی اور کل شاستر پڑھائے۔ اِدھر شنکر نے بھی پڑھنے لکھنے میں بہت عجلت کی حتی کہ سولہ برس کی عمر میں وہ تمام فلسفوں اور الٰہیات پر حاوی ہو گئے۔ مالابار بلکہ سارے دکن میں علم وفضل میں کوئی اُنکا ثانی نہ تھا۔

اس نوجوان فاضل میں عالی دماغی اور بلند خیالی کا مادہ پہلے ہی سے موجود تھا۔ وہ ہند کے فلسفہ اور مذاہب کی ابتری پہلے ہی ملاحظہ کر چکے تھے۔ بدھ اعظم کی وفات کو تقریباً پندرہ سو برس گذر چکے تھے۔ اُن کا سادہ اور مرتفع مذہب بدعت و تعصب کے ہاتھوں تباہ ہو کر آریہ مذہب اور اُس کے فلسفہ کو عود کرنے کا موقع دے چکا تھا۔ دانش و نادانی مذہب و تعصب. علم و جہل ایک دوسرے پر فوقیت ڈھونڈ رہے تھے۔ ہند کی اس مصیبت اور تاریکی نے شنکر کے دل پر بڑا اثر کیا اور اُنھیں معلوم ہوا کہ یہ وہی سرزمین ہے جس پر رشی اور آریہ لوگ کسی زمانہ میں خوش گزران زندگی کے لطف اُٹھا چکے ہیں اس لئے اُنھوں نے علم کی روشنی سے ہند کی تاریکی دور کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور خیال کیا کہ علم ہی ایسا آلہ ہے جس سے جہل کی جھاڑیاں کٹ کر ملک راحت کا راستہ صاف ہو سکتا ہے اسکی زنگ صیقل سے دور کر کے گئی ہوئی آب پھر پیدا کرنی چاہیئے۔

مذہبی اصلاح کے لئے سفر پر کمر باندھکر گھر چھوڑنے کا قصد کر لیا۔ گو اس وقت اُنکی عمر

صرف سولہ برس کی تھی مگر تعصب و جہل کے دیو کا مقابلہ کرنے کے لئے اُنکے بازوؤں میں کافی قوت تھی یہ سب کچھ تھا مگر ماں کے اصرار نے ارادہ پورا نہ ہونے دیا۔ صرف یہی ایسا تعلق تھا جس نے باوجود عزم و ہمت دنیا میں پابزنجیر کر کے رکھا۔ اُنھوں نے اپنی والدہ کی بار بار منتیں کیں اور قدموں پر سر رکھ کر اجازت چاہی مگر وہ اُن کے گھر چھوڑنے اور زہد و تقویٰ اختیار کرنے پر راضی نہ ہوئیں۔ اُنکی خوشی کا ذریعہ اور مفلسی کا سہارا شنکر ہی کی ذات تھی۔ گو وہ اپنی والدہ کی حیات میں ترک وطن نہ کر سکے تاہم اپنے ارادہ میں ثابت قدم رہے۔

ایک دن وہ اپنی ماں کے ساتھ کسی قریب کے گاؤں میں مہمان گئے واپسی کے وقت دیکھتے کیا ہیں کہ ایک نالہ جسے وہ ابھی ابھی اُتر کر گئے تھے بڑے زور و شور سے چڑھ رہا ہے۔ اُنھوں نے اُسے عبور کرنا چاہا۔ نالہ چڑھاؤ پر تھا چلتے چلتے پانی اُنکی ٹھوڑی تک آ گیا تو اُنھوں نے غل مچا کر کہا "اماں اب بھی مجھے گھر سے جانے کی اجازت دو گی کہ نہیں؟ اگر اب بھی میری درخواست منظور نہ کی تو بس سمجھ لو کہ میں ابھی تمھاری آنکھوں کے سامنے ڈوب کر جان دیدونگا" ماں نے دیکھا کہ بیٹے کے تیور بدڈھب ہیں تو اُسکے اوسان جاتے رہے اور فوراً اجازت دیدی۔ شنکر اپنی والدہ کو کاندھے پر اُٹھا کر خوش خوش نالے کے دوسرے کنارہ پر جا کھڑے ہوئے۔

کچھ دنوں بعد شنکر نے اپنی والدہ سے رخصت ہو کر مالا بار کو خیرباد کہا۔ ماں کے سوا گھر میں اور کون تھا جو ان کی روانگی کے وقت گریہ و زاری کرتا۔ وہ ایک گمنام اور بے سرپرست یتیم تھے۔ اُنکے جانے کے بعد کوئی بھی اُنکے حال کا پرساں نہ ہوا۔ راہرو بیچاری والدہ کی درد انگیز شور و شیون کی صدائیں سُن سُن کر غریب شنکر کو کوستے اور بُرا کہتے ہوئے اُن کے دروازے سے گذر جاتے مگر یہ کوئی بھی نہ پوچھتا کہ اس آفت زدہ بیوی کی جان پر کیا گذرتی ہے۔

سولہ برس تک شنکر ہندوستان میں اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔ شمال میں کوہ ہمالیہ تک سفر کیا اور تمام مشہور مشہور مقامات اور دار العلوم میں پہونچے۔ اشاعت دین پر جو تصنیفات اُنھوں نے کیں وہ "فتوحات" کے نام سے مشہور ہیں اور جسقدر مذہبی کتابوں پر تفسیریں لکھیں

اُن میں سے تفسیر ویدانت فلاسفی اپنشد اور بھگوت گیتا قابل ذکر ہیں۔ تفسیروں کے علاوہ اُنھوں نے بیشمار اصلی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جو بیان کی گھلاوٹ اور زبان کی شستگی اور خیالات کی بلندی میں بےمثیل ہیں۔ کسی زبان کی تاریخ انشاپردازی میں اتنا بڑا قابل مصنف ہم کو شاید ہی ملیگا۔ اُنھوں نے اپنی تصانیف سولہ برس کی عمر میں شروع کیں جس وقت انسان عموماً لڑکا کہلاتا ہے اور اُسکے بعد سولہ ہی برس اور زندہ رہے مگر اسی قلیل عرصہ میں قریب قریب تمام کتب فلسفہ اور الٰہیات پر تفسیریں لکھڈالیں اور لاتعداد اصلی کتابیں تصنیف کر دیں۔

تصانیف و تفاسیر کے علاوہ انھوں نے ہندوستان کے موجودہ دارالعلوموں میں جا جا کر علمار وقت سے مناظرہ کی درخواستیں کیں اور سرگرم مباحثوں سے اُنھیں اپنا ہمخیال بنا کر چھوڑا۔ اور نامی رشیوں اور دانشمندوں کو جنگلوں اور کھوہوں میں جا کر شاستر فہمی میں اپنے طرز خاص کا مقلد کر لیا۔ اُنکی فلسفیانہ فتوحات لاثانی تھیں ایک عالم اور دانشمند بھی ایسا نہ بچا جو اُنکے خیالات کا پیرو نہ ہوگیا ہو۔ یوں ابتری کو ترتیب اور تاریکی کو روشنی سے مبدل کر کے اُنھوں نے جہل کے کائی جمے ہوئے بیستانی سمندر کی تہ سے مذہب کا آبدار موتی نکال لیا۔

اسی پر خاتمہ نہیں ہوا۔ بُدھ اعظم کی طرح انھوں نے بھی ایک مذہبی جماعت قائم کرنی چاہی۔ ہند کی چار مختلف سمتوں میں چار بڑی بڑی خانقاہوں کی بنیاد ڈالی ان میں سے ایک سرنگا گری مٹھ کہلاتی ہے۔ دوسری دوارکا میں سرودھا مٹھ کے نام مشہور ہے تیسری نے شری کھیتر میں گوبردھن مٹھ نام پایا اور چوتھی بدورک آسرم میں جوشی مٹھ کہلاتی ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل بیان ہے کہ اُنکے مرید اور مریدوں کے چیلوں نے جملہ دس مٹھ تعمیر کر کے ایک ایک نامور سنیاسی کے نام سے نامزد کئے۔ زمانہ کی بھی کیا نیرنگیاں ہیں۔ بُدھ کے زاہدوں کا پتہ بھی نہ رہا مگر شنکر کے سنیاسی ہندوستان میں ابتک پائے جاتے ہیں۔

یون سولہ سال کا زمانہ شنکر نے حصص ہند کی سیاحت اور ہدایت کے کاموں میں صرف کیا۔ صرف ایک مرتبہ اپنی جاں بلب ماں کو دیکھنے کے لئے دکن گئے۔ اخیر میں وہ کشمیر کو چلے گئے اور اپنی حیات کا باقی حصہ سرنگا گری مٹھ میں گذارا وفات سے چند ماہ پیشتر

جوشی مٹھ کو گئے اور وہاں سے کیدار ناتھ پہونچے۔ یہاں یہ اعلےٰ مُصلح دین بے مثل واعظ اور عدیم النظیر فلاسفر ۳۲ برس کی عمر میں اپنے مریدوں اور پیرؤوں کو رنج و محن میں مبتلا چھوڑ کر جہان فانی سے ملک جاودانی میں جابسا۔

یہ گمنام و بے سرپرست سولہ برس کا لڑکا اپنی ماں کے جھونپڑے کو خیر باد کہتا ہوا مالابار سے نکلا تھا اور اتنے ہی برس اور دنیا میں رہ کر انسانی رفاہ کے لئے مذہبی اصلاحیں کرتا رہا مگر اسیقدر زمانہ اُس کی شہرت اور ناموری کے لئے کافی ہوا۔

۱۶ سال تک جو عرق ریزیاں مذہبی کتابوں کی تصنیف میں کیں اُنکا یہ نتیجہ نکلا کہ اہل ہند نے شنکر کو اُنکی وفات کے بعد اُلوہیت کا درجہ دیا اور اب تک اُنھیں شیو کا اوتار مانتے چلے آتے ہیں ہندؤوں کے فلسفہ اور الٰہیات کے پڑھنے اور سمجھنے میں اُنکی تفاسیر اب بھی نہایت بکار آمد ہیں۔

جس شخص نے بودھ اور ہندو شاستروں کو غور و خوض سے پڑھا ہے وہ یہی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ شنکر کی تمام کوششیں ہر دو مذاہب کے لعل بے بہا کی حفاظت میں مبذول رہیں۔ دراصل اُنھوں نے اپنی اعلیٰ فہم و فراست سے اس بات کے ثابت کرنے میں بڑی کوشش کی کہ ہندو اور بودھ مذہبوں کے اصول ایک ہی ہیں اور بڑی تلاش و تجسس سے دکھادیا کہ ہندو اور بودھ فلسفہ باہمدگر مشابہ ہیں اس مشابہت کا ثبوت انھیں ویدمقدس اور بعض اپنشدوں میں ملا پھر ان مقدس کتابوں پر تفسیریں لکھ کر اُنکی بُدھ فلسفہ کی طرز پر تشریح کی۔ بُدھ اعظم نے فرمایا تھا کہ انسان ذاتی تربیت سے بُدھ کا درجہ پاسکتا ہے شنکر نے شرح کی کہ ویدانت فلسفہ کا یہی مطلب ہے کہ انسان کو ذاتی تربیت سے اُلوہیت حاصل ہوسکتی ہے مگر انھوں نے اپنے مذہب کو الحاد سے بچانے کے لئے خدا کا نام قایم رکھا۔ بدھ کا فلسفہ کپل کے فلسفہ پر مبنی تھا اور شنکر کے ویدانت شاستر کی بنیاد بھی کپل ہی کے فلسفہ پر تھی شنکر کی تفاسیر کے مطالعہ سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اُنھوں نے گوتم کے پاک و صاف فلسفہ کو ہندو مذہب کے لباس سے آراستہ کیا ہے۔

مگر شنکر نے صرف بُدھ کے فلسفہ ہی کو محفوظ نہیں کیا بلکہ اُنکے زاہدوں کی بڑی

جماعت کو بھی بدنظمی اور گمنامی سے بچایا۔ بیشتر امور جو اقتضائے زمانہ کے برخلاف تھے یا جن کی ضرورت نہ تھی متروک کر دیئے اور بہت سے مخترعات جن کی سوسائٹی کی موجودہ حالت کے لئے سخت ضرورت تھی رائج کئے۔ شنکر کے سنیاسیوں کے گروہ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ گویا قدیم بودھ مذہب کا گروہ نئی وضع کے کپڑے پہنے ہوئے سامنے کھڑا ہے۔

بدھ مذہب کے لعل بے بہا کی حفاظت کر کے اور قدیم مذہبی تصانیف پر اعلیٰ درجہ کی مکمل تفسیریں لکھ کر شنکر نے فی الحقیقت پامال بودھ مذہب کو آخری بربادی سے بچایا۔ مگر آریہ مذہب کو جو بدھ مذہب کے قبل ہند میں جاری تھا اور جسکی کتابوں کی انھوں نے خود تفسیریں لکھیں محفوظ و مصئون نہ کر سکے۔ ویدانتی مذہب اور سری کرشن کے مذہب کے ساتھ جو ویدوں اور اپنشدوں کا ماخذ تھا افسوسناک تباہی نے وہی کیا تھا جو بودھ مذہب کے ساتھ غاصب زمانہ کی دستبرد نے کیا یہ مذاہب بھی زمانہ کے مذہبوں کی طرح مفقود ہوگئے اس لئے گو شنکر کا مذہب قدیم آریہ مذہب کی طرح جاری کیا گیا تھا تاہم اُس میں اور ویدانتی مذہب میں بیّن فرق نظر آتا ہے۔

بودھ اور ہندو مذہبوں میں بت پرستی اسقدر پھیلی ہوئی تھی کہ شنکر بھی باوصف دماغی قوت صرف کرنے کے ہند سے اُس کی جڑ نہ اُکھیڑ سکے۔ شاید یہ کام اُنھیں نا ممکن معلوم ہوا۔ اس لئے اُنھوں نے یہی بہتر سمجھا کہ بتوں کی پرستش اور عبادت کے طریقہ میں ضروری ترمیم و تنسیخ کر کے اُسے درست کر دیں۔ اس امر کا بیان کر دینا شاید ضروری ہوگا کہ ہندو فلسفہ کی نظر سے شنکر بت پرستی کے قائل نہ تھے اور ہیرو پرستش پر اُنھیں بالکل اعتقاد نہ تھا۔ مگر اُنھوں نے اس عام پسند مذہب کے خلاف جہاد بھی نہیں کیا۔ بلکہ عقائد مروجہ کا تتبع کر کے اپنے بعض مٹھوں میں سرستی (علم و فضل کی دیوی) شیو اور دوسرے دیوتاؤں کی مورتیں رکھیں اور خیال کیا کہ جن لوگوں کا

جہل و تعصب دور ہو گیا ہے اُنھیں ان سے ضرر پہونچنے کا کچھ احتمال نہیں مگر جو مرض جہالت میں مبتلا ہیں اُنھیں ذاتی تربیت کے واسطے ان سے بے شبہ بڑی مدد ملے گی۔

اس طرح شنکر نے ہند کے فلسفہ اور علم الٰہی کے گرانقدر جگمگاتے ہوئے جواہر منتخب کر کے منسلک کئے اور سری کرشن اور بدھ کی تعلیمات کو محفوظ و مصئون کر دیا۔ غالباً گوتم بدھ کپل وستو کے بعد شنکراچارج ہندوستان میں بڑے اعلےٰ درجہ کے واعظ اور فلاسفر ہو گذرے ہیں۔

رامانج

شنکراچارج کی وفات کے تقریباً دو سو برس بعد حمایت دین کے لئے دوسرا رہنما پیدا ہوا۔ شنکر کی پیدائش سے قبل اور بدھ کی وفات کے کچھ دنوں بعد شیومت نے ہندوستان میں بہت رواج پایا تھا۔ شیو اور اُنکی زوجہ کی حمد و ثنا کے گیت گانے کے لئے بیشمار کتابیں تصنیف ہوئیں ملک میں صدہا مندر تعمیر کئے گئے اور بودھوں کے بہت سے معابد تبدیل ہو کر شیوالے بن گئے۔ شنکر باوجود ذاتی فضل و کمال کے شیویوں کو اُن کے مضبوط کمینگاہوں سے ہٹانے کی جرأت نہ کر سکے۔ شاید اس مذہب کے خلاف جہاد کرنا اُنکی قدرت و مکنت میں نہ تھا۔ لہٰذا شنکر کی وفات کے بعد اُنھیں لوگوں نے شیو کا اوتار تسلیم کر لیا اور اُن کے اقوال و اشعار کو شیو مذہب کی تائید میں سنداً پیش کرنے لگے۔

گو علما و فقہا نے شنکر کے فلسفہ کو تسلیم کر لیا مگر عوام میں اُن کے مذہب کو حسن قبول حاصل نہیں ہوا۔ اُن کے سنیاسیوں کا گروہ جیسا تھا ویسا ہی رہا مگر اُن کی تعلیمات صفحۂ روزگار سے مٹ گئیں۔

الغرض شیویوں کا تعصب دور کرنے کے لئے جو ہند میں اِدھر سے اُدھر تک پھیلا ہوا تھا اور اقوال مستند میں جن پر مذہب کی بنیاد تھی سادگی اور رفعت پیدا کرنے کے لئے دکن میں ایک بزرگ پیدا ہوئے۔ اس طرح شمالی ہند کے مذہب کی حفظ و حمایت کے لئے جس کی بنیاد جمنا اور گنگا کے دوآبہ میں پڑی تھی دریائے کرشنا اور کاویری کے کنارے پر یکے بعد دیگرے دو بزرگوں کا ظہور ہوا۔

یہ بزرگ رامانج تھے جو مقام پرمبر میں پیدا ہوئے اُن کے پدر بزرگوار کا نام کیشب اور والدہ کا نام دھومی دیوی تھا۔ اُنھوں نے کنجن پور ضلع بجے نگر میں تعلیم پائی اور ویدیے

اپنے نئے مذہب کی وعظ و تلقین شروع کی۔ یہاں سے وہ سریرنگ پٹم چلے گئے جہاں اُنھوں نے کئی سال قیام کرکے اپنے مذہب اور فلسفہ پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

اِس کے بعد اُنھوں نے اشاعت دین کا دورہ شروع کیا اور اثنا سفر میں بہت سے علمار و حکمار کو مناظرات فلسفہ میں شکست دیکر اپنے خیالات کا پیرو بنالیا۔ بہت سے شیوالوں پر قبضہ کرکے اُن میں وشنو کی پرستش جاری کردی۔ وشنو اور شیو کے عابدوں میں روز بروز مناقشات بڑھنے لگے تھے کہ سریرنگ پٹم کا بادشاہ وشنیویوں کی تباہی اور بیخکنی پر آمادہ ہوگیا۔ رامانج جان بچاکر بھاگے اور کرناٹک کی سلطنت میں پناہ لی۔ یہاں کا فرمانروا جین تھا۔ مگر رامانج نے کوشش و تدبیر سے اُسے وشنو مذہب کا پیرو بنالیا۔ شاہ موصوف نے جادب کے مقام پر ایک بہت بڑا مندر تعمیر کیا جس میں رامانج بارہ برس تک مقیم رہے۔

آخر کار رامانج نے اپنے دشمن شاہ سریرنگ پٹم کے مرنے کی خبر سنکر وطن مالوف کی طرف فوراً معاودت کی اور یہاں حیات مستعار کا باقی حصہ فقر و عبادات میں گذارا۔

قدما کی طرح رامانج نے بھی اپنے مذہب کی بنیاد اپنے ہی فلسفہ پر رکھی مگر وہ بدھ کے فلسفہ سے گذر کر حتے الوسع وہ عوام الناس کے عقائد کے ساتھ قدم بقدم چلے اُنھوں نے اپنے فلسفہ میں سے وہ خاص نکتے جو شنکر نے بُدھ فلاسفی سے اخذ کئے تھے نکال ڈالے اُنھوں نے اس مسئلہ کو کہ "انسان خدا ہوسکتا ہے" تسلیم نہیں کیا۔ وہ کہتے تھے کہ انسان نہ خدا ہی نہ اسکے بعد وہ خدا ہوجانے کی تمنا کرسکتا ہے۔ انسان اور خدا میں وہی تعلق ہے جو آقا اور خادم یا باپ اور بیٹے میں ہوتا ہے البتہ ذاتی تربیت سے انسان میں قادر مطلق کے سوا اور سب خدائی صفتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔

رامانج اور شنکر کے فلسفوں میں ایک اور بھی اصولی اختلاف ہے شنکر کے ہاں خدا کو صفات سے معرٰی مانا گیا ہے اصل میں اُن کا میلان طبع از اول تا آخر بُدھ کے فلسفہ کی طرف تھا یعنی شنکر کے ہاں خدا میں صفات کا نہ پایا جانا بدھ کے ہاں خدا کے نہونے کے برابر ہی مگر رامانج نے اپنے مذہب میں دہریے پن کے مشابہ بھی کسی بات کا بیان کرنا جائز نہ رکھا۔ اُنھوں نے

خدا کو کل صفات سے موصوف مانا ہے اور خدا کے اوتاروں کو بھی تسلیم کیا ہے۔

اُنھوں نے مکتی یعنی نجات حاصل کرنے کے یہ پانچ درجے بتلائے ہیں (۱) مندر میں جھاڑو دینا (۲) پرستش کے واسطے پھول وغیرہ چُن کر لانا (۳) خدا کی پرستش کرنا (۴) خدا کے ناموں کے گیت گانا۔ اور شاستروں کا مطالعہ کرنا (۵) مراقبہ زہد و عشق الٰہی کرنا۔

گو بادی النظر میں رامانج نے شنکر اور بُدھ کے فلسفہ سے اختلاف کیا مگر حصول نجات اور مذہبی گروہ کے قیام میں اُن دونوں کی تقلید کی۔ گروہ بنانے میں انھوں نے شنکر کا حرف بحرف تتبع کیا اور محدود تعداد کے خاص خاص مٹھ تعمیر کر کے اپنے پیرووں کو کسی کسی مٹھ سے تعلق رکھنے کی ہدایت دی۔ شیومت ہندوستان میں عالمگیر مذہب ہو رہا تھا اور رامانج کے وشنو مذہب کو اسقدر فروغ نہیں ہوا لہذا شنکر کے مٹھوں کا طریقہ عام ہو گیا اور تمام حصص ہند میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ شنکر کے مٹھ کل ہند میں پائے جاتے ہیں مگر رامانج کے مذہب کا یہ حال نہیں ہے۔ وہ شمال میں عام پسند نہیں ہوا اور اُن کے مٹھ میان دوآب مشکل سے ایک دو ہونگے۔

البتہ ملک دکن میں رامانج یا اُن کے مریدوں کے تعمیر کئے ہوئے مٹھ کثرت سے ہیں وہاں شمال میں وندھیاچل کے سلسلہ سے لیکر جنوب میں بحر ہند تک لاکھوں مرد و زن خاص کر اُنھیں کے مذہب کے پیرو ہیں اور ہزارہا آدمی اُنھیں وشنو کا اوتار مان کر پرستش و عبادت کرتے ہیں۔

رامانند

جس وقت ہند میں سلطنت مغلیہ کے اقبال کا ستارہ چمک رہا تھا اسلام ہندو مذہب کا مقابل بنا ہوا تھا اور ہر دو مذاہب کے اصول ایک دوسرے میں خلط ملط ہو رہے تھے شمالی ہند کے مختلف حصوں میں تین معاصر رہنما رامانند، گورکھ ناتھ، کبیر ہندو مذہب کی عظمت و سادگی پر وعظ دینے کے لئے ظاہر ہوئے۔ غالباً یہ جہانگیر اور شاہجہاں شاہانِ دہلی کا عہد تھا۔

بعض مورخین کی رائے ہے کہ رامانند رامانج کے مرید تھے۔ مگر چونکہ انھوں نے رامانج کی پیدائش سے تقریباً سو برس بعد ظہور فرمایا لہذا اُن کا اس دکھنی بزرگ کا براہ راست شاگرد ہونا ممکن نہ تھا۔ لیکن وہ رامانج کے مذہب کے پیرو ضرور تھے انھوں نے انکا فلسفہ سیکھ لیا تھا اور اُن کے مذہب کو عام پسند بنانے میں ساعی تھے۔

افسوس کا مقام ہے کہ ہم رامانند کے حالات سے بہت کم واقف ہیں۔ اُن کے تذکرہ نویسوں نے افسانوں، خیالی قصّوں اور ہزل و حکایات سے بہت سے صفحے رنگے ہیں۔ اور بعض سرآوردہ مریدوں کے حالات تحریر کرکے اُن کی خاص سوانح عمری کے لئے بہت ہی کم جگہ چھوڑی ہے۔ لیکن یہ امر مسلم ہے کہ وہ متبرک شہر بنارس میں مقیم رہے اور وہیں سے اپنے مذہب کے وعظ شروع کئے۔

نہ اُنھوں نے کوئی نیا فلسفہ ایجاد کیا اور نہ اُن کا کوئی نیا مذہب تھا۔ ہاں اگر کوئی تجدید کہی جا سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ اُنھوں نے ہند کے مشہور ہیرو رام کو اُلوہیت کا درجہ دیکر شمالی ہند میں اُن کی پرستش کو رواج دیا۔

کوئی شخص رامانند کی تعلیمات مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا کرے تو وہ فوراً یہی نتیجہ نکال لیگا کہ اُن کا منشا صرف رامانج کے مذہب کو عام پسند بنانے کا تھا۔ شنکر اور

رامانج کی طرح اُنھوں نے اپنی کتابیں زبان سنسکرت میں تصنیف نہیں کیں بلکہ ملک کی عام فہم زبان میں لکھیں۔ رام کو خدا کا اوتار ماننے سے اُن کو صرف عوام میں اشاعت دین مقصود تھی۔ اُن کو معلوم ہوا کہ رامانج نے جو کچھ خدا کی بابت لکھا تھا وہ شنکر کی تحریرات کی بہ نسبت سریع الفہم تھا مگر پھر بھی عام طور پر انسانی فہم و ادراک سے بعید تھا۔ عوام الناس ایسے خدا کا تصور کیونکر کرسکتے ہیں جس کا جاننا رشیوں اور دانشمندوں کی سمجھ سے بھی خارج ہو۔ البتہ وہ ایک ایسے ہیرو کا تصور اور عبادت بہت آسانی سے کرسکتے ہیں جسکی توصیف و ثنا کرنا اُنھیں لڑکپن سے سکھایا گیا ہو جس کی بہادرانہ فتوحات کو وہ مدت العمر سے سنتے آئے ہوں جس کی شجاعت کے کارناموں نے اُن کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا ہو اور خدا کے بعد جس کی عظمت و تقدیس ہر فرد بشر کے دل میں جاگزین ہو جب لوگوں نے سنا کہ اُن کے نہایت عزیز ہیرو رام خدا کے اوتار ہیں تو سب نے فوراً انکی پرستش و عبادت شروع کردی۔ رامانند کے مذہب کو شمالی ہند میں قبولیت عام حاصل ہونے کا یہی سبب تھا۔

رامانند نے متقدمین کی طرح اپنے پیرؤں کے دو حصے کئے یعنی زاہد اور دنیادار زاہدوں کے گروہ کی ترتیب میں اُنھوں نے رامانج کی پیروی کی اور اُن کے طریقہ میں چند ریفارم داخل کرکے کسیقدر جدّت بھی پیدا کردی۔ یہ سب گروہ گوتم بُدھ کی جماعت کبریٰ کی تقلید میں بنائے گئے تھے۔ لہٰذا شنکر، رامانج اور رامانند کے مذہبی گروہوں میں مشکل سے کوئی نئی بات پائی جاتی تھی۔ شنکر کی جماعت کے لئے دس مٹھ تھے۔ رامانند نے اپنے گروہ کے لئے مٹھوں کی تعداد سات ہی رکھی اور ہر پیرو کو ان سات مٹھوں میں سے کسی نہ کسی مٹھ سے تعلق رکھنا لازمی کردیا۔ جس دستور العمل کی پیروی ان مٹھوں میں کیجاتی تھی اُن میں اور شنکر کے مٹھوں کے دستور العمل میں شاید ہی کوئی بیّن اختلاف پایا جاتا تھا بلکہ اب تک وہ ایک ہی قسم کی جماعتیں ہیں فرق صرف اتنا تھا کہ شنکر کے مٹھوں کے زاہد شیو کی پرستش مثل خدا کے کرتے تھے۔ اور رامانند کے مٹھوں میں رام کو وشنو کا اوتار مانکر پرستش ہوتی تھی۔ شیو اور وشنو کے مٹھوں کے متعلق کچھ اراضی بھی ہوتی ہے اور اُس کے

مالک مہنت ہوتے ہیں کوئی اجنبی شخص جب تک دونوں قسم کے مٹھوں کی عبادت کا طریقہ دریافت نہ کرلے اُسے ان میں کچھ فرق معلوم نہ ہوگا مگر یہ امر قابل بیان ہے کہ جو زاہد راما نج کے مٹھوں سے متعلق تھے اُنھیں سخت پابندی اور عسرت کی زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ برخلاف اس کے راما نند کے مٹھوں کے زاہدوں کی طرز معاشرت بہت آسان تھی۔ بہر نوع راما نند نے اپنے مذہب کو زیادہ تر عام پسند اور سادہ بنانے کی کوشش کی اور یہی اُن کا اصل مقصد تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ پجاریوں اور فلسفیوں کے مذہب کے مقابلہ میں اس مذہب کی پیروی سہل تر ہو جائے۔

راما نند کے بارہ ارشد تلامذہ تھے جو اعلیٰ قوم برہمن سے لیکر ادنے قوم چنڈالی تک ہر قوم میں سے منتخب کئے گئے تھے۔ راما نند کی زندگی میں اور اُن کی وفات کے بعد بھی یہ بارہوں مرید اشاعت دین میں سرگرم رہے بلکہ اس امر میں اپنے مرشد سے بھی سبقت لے گئے۔ مریدوں کے مختلف القوم ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ راما نند ذات کی تفریق کا کچھ خیال نہ کرتے تھے۔ اور ہر ملت کے آدمیوں کو بطیب خاطر اپنے گروہ میں داخل کر لیتے تھے

ان مریدوں نے صفحۂ روزگار پر لازوال یادگاریں چھوڑی ہیں مگر اُن میں سے ایک تو اپنے مرشد سے بھی بڑھ گئے اور اُن کا دل اپنے ہمعصروں بلکہ خود مرشد کے مقابلہ میں آسمانی نور سے زیادہ تر منور ہوا۔ یہ اعلیٰ بزرگ کبیر تھے لیکن اُنکی سوانح عمری لکھنے سے پیشتر ہم اُن چار شخصوں کا مختصراً بیان کرتے ہیں جو راما نند کے پیرووں میں کم درجہ کے سمجھے جاتے تھے گو وہ راما نند کے بارہ مریدوں میں بڑھے چڑھے نہ تھے تاہم قدر و عظمت میں اُنکے ہم پلہ ضرور تھے۔

ان میں سے ایک ناداجی تھے جو مشہور کتاب بھگت مال کے مصنف ہوئے۔ دوسرے سورداس جو ہندی میں نامی کبیشر اور اعلیٰ درجہ کے مُغنّی ہو گزرے ہیں باقی دو عدیم النظیر شاعر تھے جن سے تعلیم یافتہ طبقہ کے آدمی بخوبی واقف ہیں یعنی تلسی داس بھاشا رامائن کے مصنف اور جیدیوجن کا کلام وجد و سماع کی مجلسوں۔ معابدوں اور مندروں میں برابر گایا جاتا ہے۔

ناواجی ایک مبتذل قوم میں پیدا ہوئے تھے اُنکی ماں سخت کال کے دنوں میں اُن کو ایک جھاڑی میں چھوڑ گئی اور دو وشنو زاہد اُنھیں اُٹھا کر اپنے مٹھ میں لے گئے وہاں وہ پرورش پاکر اُس مشہور تذکرہ کے مصنف ہوئے جس کا جواب آج تک شمالی ہند میں کسی نے نہیں لکھا۔

ہوش سنبھالتے ہی وہ اپنا تعلق مٹھ مذکور سے قطع کرکے رامانند کے مرید ہو گئے۔ مشہور ہے کہ بھگت مال کا تذکرہ اُنھوں نے اپنے مرشد کی فرمائش سے لکھا تھا۔ ناواجی صرف غیر معمولی شاعر ہی نہ تھے بلکہ صاحب باطن بھی تھے اور اُنکا عشق الٰہی اور فقراء و مشائخ کے ساتھ اعتقاد تاریخ ہند میں عدیم المثال ہے۔

سورداس کی سوانح زندگی بہت کم معلوم ہیں۔ وہ اندھے تھے اور اُس وقت کے مقبول شاعروں میں سے تھے۔ اُن کا مدفن (سماوہ) بنارس کے قریب موضع شب پور میں ہے روایت ہے کہ وہ ایک برہمن کے گھر میں پیدا ہوئے اور اکبر شاہِ دہلی کے عہد میں تھوڑے عرصہ تک محکمہ مال میں تحصیلدار رہے۔ ایک دفعہ اُنھوں نے کل زر محاصل بندرابن میں مدن موہن جی کے مندر کے لئے وقف کر دیا اور خالی صندوق پتھروں سے بھر کر شاہی دربار میں بھیجدیئے۔ اس جرم پر موتمن الدولہ راجہ توڈرمل نے اُنھیں قید کر دیا مگر اکبر نے دیوانہ سمجھ کر رہائی کا حکم دیا۔ سورداس وشنو مذہب کے زاہد ہو کر سارے ہند میں پھرتے رہے اور بے شمار گیت اور کبت تصنیف کر کرکے گاتے رہے۔ اُن کے ہر ایک گیت اور کبت سے محبت الٰہی اور روحانیت ٹپکتی ہے۔

تلسی داس چترکوٹ کی پہاڑی کے قریب جمبور کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے پہلے وہ راجہ بنارس کے دیوان رہے مگر بعد کو فقر و زہد اختیار کرکے بندرابن چلے گئے بہت سے مقامات کا سفر کرکے وہ بنارس کو واپس آئے اور یہاں رامائن کی مشہور کتاب لکھی۔ اس کے سوا چند اور کتابیں بھی تصنیف کیں اور اواخر زندگی کا حصہ اسی متبرک شہر میں گذارا۔ جیدیو مغربی بنگال کے موضع کیندابل میں پیدا ہوئے۔ شاید ہندوستان میں یہ گانے کی نظم کے بہت بڑے شاعر ہوئے ہیں۔ وہ مفلس تھے مگر آخر کار ایک لڑکی کے ساتھ جسے اُس کا

باپ اُن کے جھونپڑے پر چھوڑ گیا تھا شادی کرنے پر مجبور ہوئے۔ انھوں نے اپنی تمام عمر اپنے ہی گاؤں میں رہکر زہد و عبادت میں بسر کی مگر اُن کے گیت[۱] گوبند کو لوگ ہمالیہ سے لیکر سمندر تک سارے ہندوستان میں پڑھتے اور گاتے تھے۔

یوں رامانند کا مذہب تمام ملک میں پھیل گیا۔ اُن کے مریدوں نے سارے ہند میں گشت کر کے عوام الناس کو مذہبی وعظ سنائے مگر اُن کے چار شاعر مریدوں نے اپنے پُر تاثیر گیتوں اور دلکش نظم سے دین کی اشاعت میں بہت کچھ کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں رامانند کا وشنومت یا دوسرے الفاظ میں رام کی پرستش کا طریقہ ہندوستان میں نہایت مقبول و پسندیدہ ہوگیا۔ گو اُنکے مریدوں نے وشنو کے علاوہ اور اوتاروں کو بھی مانا ہی مگر رام کی پرستش پر بہت زور دیا ہے بلکہ اب تک ان کے پیرووں میں رامانندیوں کا فرقہ بہت بڑا ہے جو رام سیتا اور ہنومان کی پرستش کرتا ہے شنکر کی اعلےٰ نظم اور برتر فلسفے نے شیومت کی بڑی حمایت کی مگر رامانند نے اُسے بڑی زک دی اور اب تک اُنکا وشنو مذہب ہند کے شمالی حصہ میں پھیلا ہوا ہے۔

[۱] یہ کتاب تقریباً سنہ ۱۹۱۰ء میں لکھی گئی ۱۲ مترجم

کبیر

کبیر نے اپنے مرشد رامانند کی بہ نسبت مذہب میں اور بھی سادگی اور عظمت پیدا کی۔ رامانند نے مذہبی رسوم سے جہاں تک وہ اُن کے اُصول سے مطابقت رکھتے تھے پہلو بہ پہلو رہنے کی سعی کی مگر کبیر رسمیات دینی اور ضوابط مذہبی سے بالکل الگ چلے۔ اُن کے مذہب میں سادگی ہی سادگی تھی۔ اُن کا قول خدا کا عشق لامتناہی اور طریق نجات عبادت الٰہی تھا۔

اُن کی سوانح عمری ایک مخفی اسرار ہے۔ ہم اُن کے دوران زندگی کے حالات سے بالکل واقف نہیں ہیں۔ البتہ اُن کی تعلیمات کا مجموعہ اکثر کتابوں میں پایا جاتا ہے جو نہایت سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھی گئی ہیں اُن کے مقبول اشعار سرحد بنگال سے لیکر پنجاب تک اب بھی لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔ گو اُن کی زندگی کے سوانح صفحۂ روزگار سے مٹ گئے مگر اُن کا موثر عاشقانہ اور نصیحت آمیز کلام لوگوں کے دلوں میں ایسا رچ گیا ہے کہ قیامت تک فراموش نہیں ہو سکتا۔

مشہور ہے کہ وہ ایک برہمن کی بیوہ لڑکی کے بطن سے پیدا ہوئے جس نے اس خوف سے کہ کہیں اس کا راز سربستہ فاش نہ ہو جائے اُنھیں کسی جنگل میں ڈال دیا اُس وقت نوری جولاہا اور اُس کی بیوی کسی پاس کے گاؤں میں جاتے تھے ان میاں بیوی نے اس معصوم بچہ کو جنگل میں بلکتا ہوا دیکھکر ترس کھایا اور اپنے گھر لاکر اپنی اولاد بنا کر پالا پوسا۔

رامانند کے مرید ہونے سے پہلے ہم کو کبیر کے حالات معلوم نہیں۔ لڑکپن ہی سے مذہب کا سودا اُن کے سر میں بھرا تھا۔ گو سوتیلے باپ نے اُن کی شادی بھی کر دی تھی مگر اُنھیں نہ کچھ گھر سے لگاؤ تھا نہ بیوی بچوں کی محبت تھی۔ وہ متبرک شہر بنارس میں چکر لگایا کرتے تھے۔ ایک دن اُنھیں گھر کو پلٹنے کا خیال نہ رہا اور رات کو دریائے گنگا کے کسی گھاٹ کی سیڑھیوں

پر پڑ کر سو رہے۔

جب کبیر گنگا کے گھاٹ پر سو رہے تھے رامانند جو مشہور واعظ و عابد تھے اشنان کے لیے وہاں تشریف لائے۔ ابھی روز روشن نہ ہوا تھا۔ اندھیرے میں اُنھیں کچھ معلوم نہ ہوا اور اُن کا پاؤں کبیر کی چھاتی پر جا پڑا۔ جونہیں اُنھیں انسانی جسم محسوس ہوا اُن کے مُنہ سے بیساختہ نکلا "رام رام"، کبیر کُلبُلا کر اُٹھ بیٹھے اور کہنے لگے "آخر کار میں نے اُسے پا لیا"

رامانند کبیر کے بشرہ سے کچھ آثار سعادت دیکھ کر اُنھیں اپنے مٹھ میں لے آئے اور وہ اسی روز با ضابطہ رامانند کے مذہب میں داخل ہو گئے۔ مگر ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کب تک اپنے گرو کی اطاعت و پیروی میں ثابت قدم رہے۔ غالباً مرشد کی وفات کے بعد اُنھوں نے اپنے مذہب کی وعظ و تلقین شروع کی۔ اصلیت خواہ کچھ ہی ہو مگر کبیر تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے مرشد سے بڑھ گئے اور ان کا مذہب ہند کے مذاہب موجودہ کے مقابلہ میں بہت طاقتور ثابت ہوا۔

اُنھوں نے حیات مستعار کا بقیہ زمانہ مذہبی وعظ و تلقین میں گزارا۔ مگر اُن کے وعظ کہنے کا طریقہ سب سے نرالا تھا۔ وہ وعظ نہیں دیتے تھے بلکہ اپنا مذہب عام فہم نظم میں گا گا کر سُناتے تھے۔ اُن کی تمام تعلیمات گیتوں اور کبتوں میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ کسی کو اپنا مذہب اختیار کرنے کی ترغیب نہیں دیتے تھے۔ ہاں ملک میں معرفت الٰہی کے گیت گاتے پھرتے تھے جن میں مذہبی قیود اور رسوم کو بدعت ٹھہرایا تھا۔ اُن کی نہ کوئی ذات و قوم و ملت تھی نہ وہ کوئی بت یا علم الاصنام (دیومالا) رکھتے تھے۔ وہ صاحب باطن اور عشق الٰہی کا راگ گانیوالے تھے۔ اُنھوں نے مسئلہ صلح کل تعلیم کر کے بکمال جرأت کل مذاہب کو غیر ضروری ثابت کیا۔ اُن کی ملت عشق الٰہی تھی۔ یعنی قدرت کاملہ کا عشق اور قدرتی عشق سے قدرتی اشیا کا عشق اور قدرتی اشیاء کے عشق سے مالک قدرت کاملہ کا عشق۔

کبیر کی لوگ بہت سی کہانیاں اور روایتیں بیان کرتے ہیں۔ مگر اُن میں سے بیشتر اُن کے مداحوں کی ایجاد کی ہوئی ہیں۔ ہاں ایک روایت کُل تذکرہ نویسوں نے نقل کی ہے لہٰذا ہم اُسے نیک چلنی کی اعلیٰ نظیر سمجھ کر یہاں درج کرتے ہیں۔

کبیر اور اُن کی بیوی لوئی شہر کے باہر ایک کھوہ میں رہتے اور جو زاہد و عابد

اُن کے ہاں مہمان جاتے اُمیں کھانا کھلایا کرتے تھے مگر کبیر خود بھی گدا گر تھے اور اکثر و بیشتر ضرورت کے وقت دریوزہ گری سے اپنی حاجت پوری کرتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے اُن کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور بیس پچیس ۲۵ بھوکے فقیر اُن کے دروازہ پر آ گئے۔ اُس وقت اُنھیں انتہائی تنگ مزاجی اور پریشانی تھی۔ اُن کی نیک دل بیوی اُن کی تیوری پر بل دیکھکر دریافت کرنے لگی اور کبیر نے اپنی پریشانی کا حال کہا تو میاں بیوی میں یوں مکالمہ ہونے لگا۔

لوئی۔ (کبیر کی بیوی) پیارے شوہر۔ تم مجھے اجازت دو تو میں فلاں ساہوکار کے بیٹے سے کچھ روپیہ لے آؤں۔

کبیر۔ یہ کیوں کر ممکن ہی؟ اُس کا باپ تو بڑا کنجوس ہی۔ وہ ہمیں روپیہ کیوں دینے لگا

لوئی۔ بیشک یہ سچ ہی مگر وہ مجھ پر ہزار جان سے عاشق ہی۔ میری محبت میں دیوانہ ہو رہا ہی۔ اُس نے ایک مرتبہ مجھے کچھ روپیہ دینے کہا تھا۔ اب میں اُس سے طلب کروں گی تو تھوڑا بہت دے ہی نکلے گا۔ دیکھو میں آج کس تدبیر سے اُس سے اینٹھتی ہوں اور ہونڈی کاٹنے کو محبت جتانیکی کیسی سزا دیتی ہوں۔

کبیر (خوش ہوکر) اہو ہو ہو۔ یہ تدبیر تو خوب نکالی۔ اچھا اب تم جلد جاؤ اور کچھ روپیہ لے آؤ۔ دیکھو دروازے پر کتنے آدمی بھوکے بیٹھے ہیں روپیہ ملجائے تو اُن کے کھانے پینے کا کچھ بندوبست کیا جائے۔

لوئی چلی اور چلکر ساہوکار کے نوجوان بیٹے کے گھر پہنچی۔ رات کے ملنے کا وعدہ کرتے ہی نوجوان نے لوئی کو جس قدر روپیہ اُس نے طلب کیا دیدیا وہ روپیہ لیکر گھر آئی اور کبیر نے فقیروں کی بڑی اہتمام سے دعوت کی۔

دن کھانا کھلانے میں گزرا۔ آفتاب نے چادر شب میں چہرہ چھپایا اور سارے عالم میں اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔ یہ موسم برسات کی رات تھی مینہ جھم جھم برس رہا تھا اور پوبائی ہوا کے تیز و تند جھونکوں نے زمین میں زلزلہ ڈال رکھا تھا۔ بجلی کا بار بار چمکنا ہر گلی کوچہ میں کمر کمر پانی کا بہنا پرنالوں کا دہائیں دہائیں کرنا۔ اولیتوں کا لگا تار ٹپکنا

مینہ کا برسنا۔ اُنگنائیوں کا ڈوبا ہونا ایک چشم زدن کے لیے دکھاجاتا اور پھر اندھیرا گھپ ہوجاتا۔ اس ڈراؤنی وحشت خیز رات اور طوفان برق و باد میں کبیر اپنی پیاری بیوی کو سر سے پاؤں تک کمبل اُڑھا اور کاندھے پر چڑھا کر اُس شہوت پرست نوجوان کے مکان پر پہنچے۔ بیوی کو اندر بھیجدیا اور خود دروازے کے قریب ٹھہر کر اُس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

اُدھر تماشبین نوجوان کو اُس رات کو اپنی معشوقہ کی ملاقات سے قطعی یاس ہوچکی تھی۔ مگر جب اس موہنی مورت عابد کش شعلۂ جوالہ کو اپنے کمرہ میں کھڑا دیکھا تو سخت متحیر ہوا۔ اور تل دھار اوپر برستے ہوئے مینھ میں لوئی کا بدن ذرا بھی بھیگا نہ پایا تو اُس کا تعجب اور بھی بڑھ گیا۔

نوجوان (ساہوکار کا لڑکا) میری جان مجھے تو امید نہ تھی کہ آج کی رات تم آؤگی۔ بھلا ایسے مینھ برستے میں یہاں تک کیونکر آئیں۔ میں دیکھتا ہوں نہ تمھارا جسم بھیگا ہے نہ پاؤں کیچڑ میں بھرے ہیں۔ واہ یہ تو اچھا اعجاز کیا۔

لوئی۔ جناب میرے میاں مجھے اپنے کاندھے پر چڑھا کر یہاں لائے ہیں۔

نوجوان (سخت متحیر ہوکر) تمھارے میاں! تمھارے شوہر! کیا تمھارے شوہر تمھیں میرے پاس لائے ہیں!!!

یہ کہکر وہ لوئی کے قدموں پر گر پڑا۔ کہا تم آج سے میری ماں ہوئیں اور فوراً دروازہ کی طرف دوڑ کر کبیر کے قدم لیے۔ اس کے آگے صرف اسی قدر بیان کرنا کافی ہے کہ ساہوکار کا لڑکا اُسی وقت سے کبیر کا تہ دل سے معتقد اور پیرو ہوگیا۔

زہد و عبادت کی زندگی کے بعد کبیر نے مگہر میں انتقال فرمایا۔ اُن کو خدا کا فرزند کہنا بجا ہے۔ وہ ایک قوم یا ایک مذہب نہ رکھتے تھے۔ اُن کا گھر دُنیا۔ اُن کے بھائی بند بنی نوع انسان اور اُن کا باپ خالق ارض و سما تھا اس لیے اُن کی وفات کے بعد ہندو مسلمانوں میں اُن کی تجہیز و تکفین پر بڑا تنازع ہوا۔ کبیر کی مذہبی جماعت کے بڑے ہونے کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ دو مخالف مذہبوں کے فریق جو دن سے پنجاب کی سرزمین پر پہلے ایک دوسرے میں باہم نقیض چلی آتی تھی ان میں سے ہر

مسلمانوں نے الوہیت کا مرتبہ کیسے دیا؟ افسوس!!

ایک کبیر کی نعش کو اپنے پیشوا کی نعش بتاتا تھا۔

کہتے ہیں کہ کبیر کی میت پر ہندو مسلمانوں میں جنگ عظیم ہو جاتی۔ ایک طرف راجہ بنارس ہندوؤں کا ٹڈی دل لیے ہوئے اُن کی نعش کو جلانے پر آمادہ۔ دوسری طرف بزلی خاں مسلمانوں کے جم غفیر کے ساتھ نعش مذکور کو دفن کرنے کے لیے کمربستہ مگر عین اس نازک وقت میں کبیر کی پاک روح نے ظاہر ہو کر ہندو مسلمانوں سے نعش پر سے کفن اُتارنے کو کہا۔ کفن اُٹھاتے ہی اُس کے نیچے ایک ڈھیر پھولوں کا نکلا جسے دیکھکر سب کو حیرت ہو گئی۔

نصف پھول لیکر راجہ بنارس نے دریائے گنگا کے متبرک کنارے پر جلائے اور خاکستر پر ایک مٹھ بنوا دیا جو کبیر چورا کے نام سے مشہور ہے۔ اور کبیر پنتھیوں کی جاترا کا مقام ہے۔ دوسرا نصف حصہ پھولوں کا بزلی خاں نے لیا اور مگہر میں جہاں کبیر نے وفات پائی تھی دفن کر کے اُس پر ایک عظیم الشان مقبرہ تعمیر کرایا جو اب تک مسلمانوں کا متبرک زیارت گاہ ہے۔ تاریخ عالم میں ہم ایسے برگزیدہ بزرگ کی نظیر نہیں پاتے جسے دو مختلف مذہبوں کے فرقوں نے اس طرح اُلوہیت کا مرتبہ دیا۔ عرفی شیرازی نے کیا خوب کہا ہے۔

چناں با نیک و بد عرفی بسر کن کز پس از مردن

مسلمانت بزمزم شوید و ہندو بسوزاند

اب ہم کبیر کی دو ایک کہاوتیں جنسے اخلاقی نتیجے نکلتے ہیں ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے درج ذیل کر کے کتاب ہذا کا پہلا حصہ ختم کرتے ہیں۔

(۱) تسبیح کا دانہ دانہ شمار کر کے عمر گزار دی مگر دل کی عظمت دور نہ ہوئی اس لیے تسبیح کے دانے شمار کرنے سے صفائی قلب پیدا کرنا بہتر ہے۔

(۲) اگر دو من چیتھڑے گدڑے لاد کر ہردوار پہنچے اور مختلف متبرک مقامات کی جاترا کی۔ مگر جب تک دل عشق الہٰی سے روشن نہ ہو جاترا کرنا لاحاصل ہے۔ کعبہ جا کر سجدہ کیا اگر جبک مکر و زر دور ہو کر دل میں عشق الہٰی پیدا نہ ہو حج کا کچھ ثواب نہیں ملتا اگر گلستان

بوستاں پڑھکر سعدی کا مطلب نہ سمجھا تو ایسے علم و فضل سے کیا فائدہ ہوا۔

(۳) میں اپنے محبوب (خدا) کے کلام کا عاشق ہوں۔ اس کے سوا اور کسی طرح میرے دل کو تسکین نہیں ہوسکتی۔ اگر مچھلی کو پکڑ کر سونے کے گہوارہ میں رکھیں اور آبِ حیات لے پلائیں تاہم یقیناً وہ تھوڑی دیر میں مرجائیگی۔

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

پس جس کے دلمیں عشق الٰہی پیدا ہوگیا ہو وہی خدا کو پا سکتا ہو۔

باب پانچواں

انجمن ترقی اُردو کی مجوزہ و پسند کردہ کتابیں

اس انجمن کے ذریعہ سے ابتک سات کتابیں حسب تفصیل ذیل طبع ہوئی ہیں اور اُن کے اعلیٰ پیمانے پر نہایت اہتمام صرف کثیر سے طبع کرایا گیا ہے۔ اُن کتابوں سے اُردو لٹریچر میں نہایت مفید اضافہ ہوا ہے اور آجکل کی ضرورت اور مذاق کے موافق ہیں۔ اور صرف بک ڈپو ایم اے او کالج علی گڑھ سے ملتی ہیں یکمشت خریداران کو معقول کمیشن دیا جاتا ہے

۱ **فلسفہ تعلیم** - یعنی حکیم ہربرٹ اسپنسر کی مشہور کتاب **ایجوکیشن** کا اُردو ترجمہ جس کو مولوی خواجہ غلام الحسنین صاحب پانی پتی نے نہایت خوبی کے ساتھ انگریزی سے ترجمہ کیا ہے، طبع جدید - بار دوم مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ کاغذ ولایتی - بلا جلد - - - - - - عاہ

۲ **مصباح القواعد** - مدت سے ایک ایسی کتاب کی سخت ضرورت تھی جو اُردو زبان کے قواعد صرف نحو پر جامع و مکمل ہو۔ مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری نے اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ اس کتاب کے متعلق بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ جتنی کتابیں اب تک صرف و نحو اردو پر لکھی گئی ہیں۔ یہ ان سب سے بہتر اور جامع ہے۔ عمدہ کاغذ پر نہایت خوشخط انسٹیٹیوٹ پریس علیگڑھ میں طبع کرایا ہے پبلک نے اس کتاب کی بہت قدر کی ہے۔ طبع دوم - - - - - - - عہ

۳ **نپولین اعظم** - نپولین اعظم شہنشاہِ فرانس کے نام نامی سے ساری دنیا واقف ہے، ہمکو زیادہ معرفی کی ضرورت نہیں یہ وہ شہنشاہ ہے جس نے ایک بڑے حصہ یورپ کو اپنا تابع فرمان بنا لیا تھا اور یورپ کی بڑی سے بڑی طاقتوں کو ہلا دیا تھا۔ اس شہنشاہ کے عموماً اوصاف مافوق العادت تھے۔ ایسے منفرد انسان کے حالات زندگی کا مطالعہ علاوہ اُن بیش بہا تاریخی معلومات کے جو اواخر اٹھارویں صدی اور اوائل اُنیسویں صدی کے متعلق اس سے حاصل ہوتی ہیں بہت سے صفات انسانی کا عمدہ نمونہ پڑھنے والے کے سامنے پیش کرتا ہے اور اس کو معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی خداداد قابلیت سے کس درجہ کو پہونچ سکتا ہے۔ اور کل من علیہا فان پر اُس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ نپولین اعظم کی سب سے بہتر سوانح عمری انگریزی زبان میں ایبٹ صاحب نے لکھی ہے جسکا اُردو ترجمہ مولوی سید معین الدین صاحب شاہجہانپوری اسسٹنٹ ماسٹر پیلی بھیت نے کیا ہے اور انجمن ترقی اُردو کی پسند اور تجویز سے کالج بک ڈپو نے یہ ادائے حق ترجمہ اس کو پانچ جلدوں میں ولایتی کاغذ پر خوشخط طبع کرا کر شائع کیا ہے۔ نپولین اعظم کا اصلی فوٹو جلد اول کے شروع میں اور اُس زمانہ کے یورپ کا نقشہ آخر میں لگایا گیا ہے۔ پانچوں جلدوں کی قیمت علیحدہ علیحدہ حسب ذیل مبلغ ۱۲؎ ہے۔ لیکن یکمشت نقد خریداری کی حالت میں (علاوہ محصول) مبلغ للعہ میں دی جائینگی۔ اس رعایتی قیمت کی حالت میں پھر کمیشن نہیں دیا جائیگا

جلد اول (۴۳۶ صفحات بلا جلد) - - - - - - - عہ

جلد دوم - (۴۸۴ صفحات بلا جلد) - - - - - - - عاہ

جلد سوم - (۵۴ " " ") - - - - - - - سہ

جلد چہارم - (۴۳۰ " " ") - - - - - - - عاہ

جلد پنجم (۴۶۲ " " ") - - - - - - عاہ

۴ رہنمایان ہند - یعنی کتاب مذاہب کا یہ چوتھا ایڈیشن ہے - قیمت - - - عہ

۵ **القول الاظہر** - ترجمۂ الفوز الاصغر تصنیف الشیخ الامام حکیم ابو علی احمد معروف بہ ابن مسکویہ اس میں مصنف مذکور نے جو حکماء اسلام میں بہت بلند پایہ رکھتا ہے اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں اپنے وقت کا امام تھا تین مسئلے بیان کئے ہیں اول صانع عالم کا ثبوت نہایت فلسفیانہ دلائل سے دوسرا مسئلۂ نفس اور اُسکے ادراکات کے بیان میں اور تیسرا - اثبات نبوت میں ہے - اس میں مسئلہ ارتقا جو ڈارون کی تھیوری کہی جاتی ہے پورا موجود ہے غرضکہ یہ عجیب و غریب کتاب فلسفۂ آئین کے قواعد اور اصول پر لکھی گئی ہے، اور اُن قواعد کو مذہب اسلام کے ساتھ منطبق کیا ہے - اس کتاب کا مطالعہ اعتقادات مذہبی کو مضبوط کرتا ہے - اور شکوک رفع کرتا ہے - مفید عام پریس آگرہ میں سفید کاغذ پر خوشخط طبع کراکر شائع کیا ہے - صفحات کتاب ہذا (۱۴۸) بلا جلد - - - - عـہ

۶ **القمر** - یہ کتاب تین ابواب پر منقسم ہے اور اُن میں موافق علم ہیئت و علم ریاضی مفصلہ ذیل مضامین درج ہیں جو مختصراً اس جگہ لکھے جاتے ہیں -

باب اول - حرکت کی تعریف، قانون حرکت اور اُسکی مزاحمت، زمین کی قوت جاذبہ کا ثبوت اشیاء مادی کا زمین پر ایک چال سے گرنا مستطیل قوی کی مزاحمت، پتھر وغیرہ کے زمین پر سیدھے گرنے کا سبب، فرکشن کے اسباب، قمر کی گردش کرنیکا سبب، قمر کا زمین پر اترنا محال عقلی ہے، مدار بیضاوی کے سبب سے قمر کا زمین کے قریب آنا اور پھر ہٹ جانا اور سیاروں کی حرکت آزادانہ کا بیان وغیرہ وغیرہ

باب دوم - نظام شمسی کا مفہوم، سیاروں کی چال کا بیان اور اُن کے جسمی حالات، زہرہ کا قرص آفتاب سے قریب ہوکر گذرنیکا بیان، دُمدار ستاروں کی حقیقت، تاریخی واقعات اور اُن کے ظہور کی پیشین گوئی کا صحیح ہونا فضائے آسمانی کے ایتھر سے مملو ہونے کا ثبوت، تمام عالم کے درہم برہم ہونے کی دلیل، شہاب ثاقب کی حقیقت تکوین عالم کا بیان، وغیرہ وغیرہ

باب سوم - چاند کی جسامت، اور اُسکی حرکتوں کا بیان، دوربین کی قوت کا تذکرہ، چاند کا منظر حرارت و نور کے منعکس ہونے پر بحث، چاندنی کے سرد ہونے کی وجہ چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کا بیان، مقدمہ خسوف و چاند گہن کا بیان، مقدمہ کسوف اور اس کے اقسام کا بیان، مصنفہ مولوی سید راحت حسین صاحب بی - اے - - - - - - - ۱۲ر

امرائے ہنود - اس قابل دید کتاب میں اُن ہندو امرا کے حالات جو سلطنت مغلیہ میں ممتاز عہدوں پر سرفراز تھے یعنی اکبری عہد کے ہندو علما و وزرا جہانگیری عہد کے ہندو اکابر و مشاہیر شاہجہانی عہد کے ہندو علما و عہدہ داران، اور عالمگیری عہد کے ہندو علما و امرا کے مفصل حالات، نامی پریس کانپور میں تین قسم کے کاغذ پر نہایت خوشخط طبع کرایا ہے -

قسم اول - اعلیٰ درجہ کے ایوری فنشڈ کاغذ پر معہ خوبصورت سنہرے ٹائیٹل پیج کے قیمت بلا جلد عـہ ر

قسم دوم - ولایتی سفید کاغذ پر - - - - - ۱۲ر

قسم سوم - جرمنی سفید کاغذ پر - - - - - ۸ر

ملنے کا پتہ

مینیجر صاحب بک ڈپو ایم اے او کالج علی گڑھ